وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 7	شمارہ 08	رمضان/شوال 1434ھ	اگست 2013ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
حافظ مختار احمد گوندل
پروفیسر خلیل الرحمٰن
محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین و گرافکس: سعد حسن خان
قانونی مشاورت:
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زر تعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوار چوک جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ المرسلات	3
2	بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	صہیونیت _ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں		12
5	حقیقت صیام و قیامِ رمضان	انجینئر مختار فاروقی	35
6	اسلام اور سائنس (4)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	53
7	تبصرہ و تعارف کتب		62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورة المرسلٰت آیات 01-20﴾

سورۃ المرسلات میں ہواؤں کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ جس جزا وسزا کے دن سے تمھیں خبردار کیا جارہا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ پھر اس دن کی ہولناکی اور وقوع کی اجمالی تصویر پیش کی گئی ہے کہ ایک دن آئے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے سارے نظام کو درہم برہم کر دے گا یہ دن بڑا اہم دن ہوگا اس دن فیصلہ ہوگا کہ رسولوں علیہم السلام نے اپنی اُمتوں کو کیا بتایا تھا اور ان کی قوموں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس دن رسولوں کو جھٹلانے والوں کو سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا۔ (اس سورت میں یہ آیت وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ دس مرتبہ وقفہ وقفہ سے آئی ہے یعنی اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے)۔ پھر قیامت کے امکان کے دلائل دیے گئے ہیں۔ پھر اس عذاب کی صورت کشی کی گئی ہے جس سے ان جھٹلانے والوں کا سابقہ پڑے گا یہ وہاں اتنے بے بس ہوں گے کہ کوئی بات ہی نہیں کر سکیں گے انہیں معذرت کی اجازت ہی نہیں دی جائے گی کیونکہ اس کا وقت گزر گیا اب تو فیصلہ کا وقت ہے۔ پھر ان متقین کا حال بیان کیا گیا ہے جنھوں نے اپنی عاقبت سنوارنے کی کوشش کی تھی۔ اور آخر میں فرمایا کہ اس قرآن کو پڑھ کر یا سن کر بھی جو شخص ایمان نہیں لاتا تو اور کونسی چیز ایسی ہوسکتی ہے جو اسے راہِ راست پر لا سکے؟۔

اَعُوذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَ الۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا O فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا O

ہواؤں کی قسم، جونرم نرم چلتی ہیں پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں

وَّ النّٰشِرٰتِ نَشۡرًا O فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا O

اور (بادلوں کو) توڑ کر پھیلا دیتی ہیں پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں

فَالۡمُلۡقِيٰتِ ذِكۡرًا عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا O

پھر (فرشتوں کی قسم) جو وحی لاتے ہیں،

تاکہ عذر (رفع) کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ O

کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا

فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ O وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ O

جب تاروں کی چمک جاتی رہے جب آسمان پھٹ جائے

وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ O

اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں

وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ O

اور جب پیغمبر (بھی) حاضر کئے جائیں

لِاَىِّ يَوۡمٍ اُجِّلَتۡ O

بھلا (ان امور میں) تاخیر کس لئے کی گئی؟

لِيَوۡمِ الۡفَصۡلِ O وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ O

فیصلے کے دن کے لئے، اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ O

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

صدق اللّٰہ العظیم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِبنُ السَّبیلِ أوَّلُ شاربٍ ۔ یَعْنِی مِنْ زَمْزَمَ (عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

مسافر (مقیم سے) پہلے آبِ زمزم پینے کا حق دار ہے۔

أبِنِ القَدَحَ عَنْ فِیكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ

پیالے کو اپنے منہ سے دور کر پھر سانس لے۔ (عن ابی سعید رضی اللہ عنہ)

أَبُو بَكرٍ فِی الجَنَّةِ وعُمرُ فِی الجَنَّةِ وعُثْمانُ فِی الْجَنَّةِ وعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ والزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وعَبْدُ الرَّحْمٰنُ بنُ عَوف فِی الْجَنَّةِ وسَعْدُ بنُ أبی وقاص فِی الجَنَّةِ وَسَعِیدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الجَنَّةِ وأبُو عُبَیْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ فِی الجَنَّةِ

حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (یہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم) جنت میں ہیں۔ (عن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ)

الجَامعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیروالنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

افسوس! اہل پاکستان کی یہ عید بھی عیدِ محکوماں ہی رہے گی

انجینئر مختار فاروقی

اُمت مسلمہ لگ بھگ 150 ارب نفوس پر مشتمل ہے۔ ایک طرف ہر مسلمان کی انفرادی زندگی ہے اوراس کے معاملات ہیں۔ ایک طرف انفرادی سطح کی ایمانی کیفیات و دنیاداری، عزت و ذلت فراخی و تنگی، آزادی و محکومی اور بہادری اور بے کسی کے مراحل ہیں اور دوسری طرف اجتماعی سطح پر اُمت مسلمہ کے عالمی سطح کے معاملات ہیں۔ جہاں ترکی، شام، فلسطین، مصر، صومالیا، لیبیا، عراق، افغانستان، کشمیر، چیچنیا اور برما میں مسلمانوں پر دشمن ہر ممکن طریقے سے مظالم ڈھا رہا ہے اور امت مسلمہ کے اجتماعی وجود کو خطرات درپیش ہیں۔ ان ممالک میں جاری مسلمانوں کی طرف سے مزاحمتی کوششیں اپنی جگہ ـــــــ مگر اجتماعی سطح پر ابھی کامیابی کی منزل بہت دُور کی بات ہے۔

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ سایہ فگن ہوا اور وقت بھلا روکے سے کبھی رُکتا ہے یہ مہینہ بھی گزر رہا ہے اور گزر جائے گا۔ اس کی برکات مسلّم اور یقینی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے فرمودات عالیہ ہیں۔

اس ماہ مبارک کی برکات کا حصول ایک انفرادی سطح پر ہے اور ایک اجتماعی سطح پر ہے۔ انفرادی سطح پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہر باشعور مسلمان نماز پڑھے، حلال کمائے، روزہ رکھے، گناہوں

سے اجتناب کرے اور اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنالے۔ اجتماعی سطح پر اس ماہ کی برکات کا آج ہمیں اندازہ ہی نہیں کہ وہ کیا ہوتی ہیں جس سال روزے فرض ہوئے وہ 2ھ کا رمضان تھا اسی ماہ روزے کے احکام مکمل طور پر اُترے بھی نہیں تھے کہ 17 رمضان کو جنگ بدر پیش آ گئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرمائی مسلمان واپس مدینہ تشریف لائے تو عید کے دن ہر مسلمان کے چہرے پر نورانیت تھی اور بدر کی فتح کی خوشی، اللہ کی مدد کا اطمینان اور دشمنوں پر مسلمانوں کا رُعب، شہر مدینہ میں منافقین اور یہود پر سکتہ کی کیفیت۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خلوص اور جذبوں کی صداقت کے پیش نظر اور بھی دو خوشیاں نصیب فرما دیں: ایک مہاجرین حبشہ کی واپسی اور دوسرے چند برس پہلے ایران کے ہاتھوں روم (عیسائیوں) کی شکست کے بعد قرآن مجید کی پیش گوئی کے عین مطابق رومی (عیسائی) دوبارہ ایران (مشرکین) پر غالب آ گئے۔ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کے بیان کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور مشرکین مکہ کی کسمپرسی کے مناظر کی وجہ سے اپنے رب کے لئے بے پایاں تشکّر کے جذبات تھے کہ آپ ﷺ سمیت ہر مسلمان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ شاعر نے اسی موقع کے لئے کہا ہے

عید آزاداں شکوہ ملک و دیں
عید محکوماں ہجومِ مومنین

نماز عید کے لئے جاتے ہوئے کہی گئی وہ تکبیریں (اَللّٰہُ اَکبَر اَللّٰہُ اَکبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکبَر اَللّٰہُ اَکبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمد) اصل تکبیریں تھیں جس کا مصداق مدینہ شہر کی گلیوں میں نظر آ رہا تھا اور وہ نماز عید اصل شکرانے کی دو رکعتیں تھیں جو خوشی کے آنسوؤں کے جلو میں دھڑکتے دلوں کے ساتھ ادا کی گئی تھیں اس دن آپ ﷺ کا خطبہ خطبۂ آزادی تھا اور آپ ﷺ کی دُعا ـــــ حقیقتاً اللہ کے حقیقی بندوں کا اپنے رب کے حضور پکار تھی جس پر فرشتے بھی نازاں تھے اور عرش و فلک بھی۔

اس دن مسلمانوں کا آپس میں عید ملنا ـــ حقیقی خوشیوں کا حامل اور دِلی جذبات کا حقیقی اظہار تھا یہ عید آزاداں تھی۔ تاریخ اسلام میں اس کے بعد بھی کئی عیدیں ایسی آئی ہیں جو عید آزاداں ہی کہلانے کی مستحق ہیں۔ مگر ایسی عیدیں آج ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں ہماری زندگی

میں درجنوں عیدیں آئیں اور چپکے سے چلی گئیں درجنوں رمضان آئے اور اپنا وقت پورا کر کے چلے گئے مگر امت مسلمہ کے اجتماعی معاملات جہاں تھے وہیں رہے۔ مولانا حالی نے کہا تھا

اے خاصہ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس وہ آج میں غریب الغرباء ہے

اور مسلمانوں کی اجتماعی کیفیات مجموعی طور پر آج بھی وہی ہیں کچھ مثبت باتیں ہیں۔ کامیابیاں وکامرانیاں بھی ہیں مگر بات ہے مجموعی طور پر امت کی کیفیات کی۔ وہ شام، برما، بھارت اور چیچنیا وغیرہ میں دیکھیں تو دل کانپ جاتا ہے۔

2ھ کی عید کی طرح کی ایک عید آئی تھی برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لیے 1366ھ میں۔ یہ عید بدر کی عید کا عکس ثانی تھا۔ 27/رمضان کو 14/اگست 1947ء اور جمعہ کا دن تھا اور 17/اگست کو عید......عید آزاداں تھی۔ مسلمان خون کی ندیاں عبور کر کے پاکستان پہنچ رہے تھے، لٹے پٹے قافلے تھے، لاکھوں ماں باپ، لاکھوں بہنیں، لاکھوں بچے، لاکھوں دوشیزاؤں کی قربانی کے بعد یہ عید جس میں پیغامِ آزادی تھا انگریز (منحوس صیہونی برطانوی استعمار) کی غلامی سے۔ اتنی قربانی کے باوجود مسلمان پیرو جواں، مردوزن دل میں خوشی کے جذبات لیے زبانوں پر اللہ کے شکر کے ترانے گا رہے تھے۔

یہ عید بھی سادہ، پروقار، دشمن پر مسلمانوں کی ہیبت، مغربی استعمار اور صیہونی منصوبہ سازوں کے لیے بیسویں صدی کے عین نصف میں جبکہ جمہوریت، لبرل ازم اور وطنیّت پرستی کے نظریات کا نصف النہار تھا۔ ایک عظیم مسلم مملکت کا مذہب کی بنیاد پر دنیا کے نقشہ پر اُبھر آنا ــــــ بے لوث مسلم جذبہ اور رب جلیل کی بے پایاں عنایات کے ساتھ اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے عشق کی انوکھی داستان ہے جو غلاموں نے آقاؤں سے لڑ کر آزادی کی شکل میں رقم کر دی تھی۔

ہمیں یقین ہے کہ اس ماہ صیام میں انفرادی سطح پر بہت سے لوگوں نے اس ماہ کا خوب

خوب حق ادا کیا ہوگا اور اپنے آپ کو جنت کا مستحق قرار دلوالیا ہوگا اور ایسوں کی تعداد کوئی سودوسو یا ہزاردو ہزرنہیں لاکھوں میں ہوگی (البتہ یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارا نام بھی ایسے خوش نصیبوں میں شامل ہے یا نہیں) اس کے برعکس مجموعی طور پر امت مسلمہ کی کیفیات کو دیکھیں تو ڈرون حملے، بم دھماکے، بھارت، برما، فلسطین، کشمیر، مصر، صومالیہ میں مسلمانوں کا یوں قتل عام خون کے آنسورلاتے ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یہ آنے والی عید بھی ہمارے لئے 'عید محکوماں' ہی رہے گی اور ہم مغرب کی غلامی میں بھی عافیت محسوس کرتے ہوئے اس کے ساتھ نتھی رہنے میں ہی اپنی کامیابی کا راز سمجھیں گے۔

قوموں اور ملکوں پر دشمنوں کا غلبہ ہو جاتا ہے یہ ایسی انوکھی بات نہیں ہے یہ اللہ کا قانون ہے(تِـلْكَ الْاَيَّـامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاس 03-140)مگر کسی شکست اور دشمن کے غلبے کو نعمت غیر مترقبہ سمجھنے لگ جانا اور مسلمانوں کے ایک گروہ کا دشمن کی گود میں جابیٹھنا، اس سے مراعات لینا، قرضے لینا اور چاپلوسی خوشامد سے حکومت حاصل کر لینا اور محکومی کی حکومت کو مسلمانوں کی آزادی اور اسلام کی آزادی تصور کرنا یہ اس شکست سے بھی بڑاالمیہ ہے۔ بقول شاعر

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

شکست کو شکست سمجھنا، دشمن کو دشمن سمجھنا، اللہ کے دین کو سینے سے لگائے رکھنا اور جدوجہد کرنا اس کے لئے وسائل جمع کرنا اور بالآخر ایک جدوجہد (جہاد وقتال) کے بعد پھر اللہ کی حکومت قائم کرلینا یہ آزادی کا راستہ اور آزاد قوموں کا شیوہ ہے اور غیرت مندوں کی آبرو ہے۔ افسوس کہ آج مسلمانوں میں اسی قیمتی جذبے کی شدید کمی ہے اور اسی جذبے کی آبیاری کی ضرورت ہے جس سے کہ امت مسلمہ کے بے جان جسد میں شاید زندگی و بیداری کے آثار پیدا ہو جائیں۔

یہ دردِ دل ہے جو ہم نے قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے۔ پچھلے دنوں کی ایک خبر سے بھی ایک مثبت جذبہ ملا ہے وہ بھی قارئین کے لئے پیش کیے دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی مثال ہے کہ اگر امت مسلمہ میں 'احساس زیاں' موجود ہے تو 'امت' موجود ہے۔ 13-07-2013 کے روزنامہ ایکسپریس کے صفحہ اوّل کی خبر میں ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالت کے ایک جسٹس کی طرف سے یہ

الفاظ پڑھنے کو ملے کہ:

دارالحکومت کے اندر قوم کی تذلیل اور وفاق کی خاموشی ناقابل برداشت ہے، جسٹس جواد، یو این مشن کے عدم تعاون پر برہم

لاپتہ افراد کیس

لوگوں کو اغوا کرنا اور حبس بے جا میں رکھنا فوج کا قانونی اختیار نہیں، سپریم کورٹ

فوجی اہلکار کا اقدام بدنیتی پر مبنی ہو تو اعلیٰ عدلیہ میں زیر سماعت لایا جا سکتا ہے، لاپتہ افراد کے مقدمات میں آئین و قانون کے سوا کوئی آپشن نہیں

مجھے شک ہے کہ 1947ء میں ہمیں آزادی ملی؟ لگتا ہے ہم آج بھی کالونی ہیں اور کوئی ریذیڈنٹ اسلام آباد میں بیٹھ کر پاکستان چلا رہا ہے، ریمارکس

اسلام آباد (خصوصی خبرنگار) عدالت عظمیٰ نے حاضر سروس فوجی اہلکاروں کی گرفتاری اور ان سے تفتیش کے بارے میں مقدمے کی سماعت فل کورٹ سے کرانے کی استدعا مسترد کر دی (باقی صفحہ 5 نمبر 30)

اسلام آباد (خصوصی خبرنگار) عدالت عظمیٰ نے پولیس کے ساتھ تفتیش میں اقدام (باقی صفحہ 5 نمبر 31)

مجھے شک ہے کہ 1947ء میں ہمیں آزادی ملی؟ لگتا ہے ہم آج بھی کالونی ہیں اور کوئی ریذیڈنٹ اسلام آباد میں بیٹھ کر پاکستان چلا رہا ہے، ریمارکس

ہماری سپریم کورٹ کے جج صاحبان جس اعلیٰ منصب پر ہیں اور جس طرح وہ پاکستان کے حالات کا بچشم سر مکمل شواہد کے ساتھ مشاہدہ کر رہے ہیں اور ملک کے نامور، اسلام اور مسلمان ہونے کے دعوے دار بعض وکلاء کا کردار بھی سامنے ہیں کہ وہ صرف فیس کی خاطر بعض لوگوں کے دفاع میں لگ جاتے ہیں تو ان حالات میں قابل احترام جسٹس صاحب کے یہ الفاظ بڑے گہرے مشاہدے پر مبنی ہیں۔ ہماری اعلیٰ پاکستانی قیادت اور دیگر اسلامی ممالک کے لیڈروں (مصر، سعودی عرب، ترکی، شام وغیرہ) کو بھی اس کا احساس ہو جائے تو یقیناً وہ دن دور نہیں جب امت مسلمہ کے حالات سنور جائیں گے۔

آج سے 80 سال قبل قابل احترام محمد علی جناح بھی جناب افتخار محمد چوہدری صاحب کی طرح قانون دان تھے اور علامہ اقبال کی بصیرت و بصارت آپ کو مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے انگلستان (برطانیہ) سے واپس وطن لائی تھی انہوں نے نامساعد حالات میں جدوجہد کی اور قانون کی زبان میں مسلمانان برطانوی ھند کا مقدمہ لڑا اور جیت کر دکھا دیا۔ مسلمان امت نے انہیں 'قائداعظم' کا خطاب دیا کہ وہ مسلمانوں کے سب سے بڑے قائد ہیں بعینہ یہ کیفیت ہمارے نزدیک آج ہمارے عزت مآب چیف جسٹس صاحب کی ہے۔ جن مسلمان رہنماؤں کو قائداعظم نے کھوٹے سکے کہا تھا انہیں رہنماؤں کے بیٹے پوتے نواسے آج کرپشن میں مکمل ڈوبے

کھڑے ہیں اور یہ بات اب پریس کی روزانہ زینت بنتی رہتی ہے۔ یہ کھوٹے سکے والی بات جتنی آج ہمارے عزت مآب چیف جسٹس صاحب اور دیگر جسٹس صاحبان کے سامنے مکمل دستاویزی شواہد کے ساتھ موجود ہے وہ قائداعظم کے فرمان کی تشریح ہے۔

پھر جیسے جناب قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا کہ وہ UNPURCHASEABLE اور NON-CORRUPTIBLE ہیں۔ اسی طرح آج ہمارے چیف جسٹس صاحب ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بشری کمزوریوں سے بلند کر کے اس کا مصداق بنائے رکھے، آمین۔)

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مسلمان عوام کی دینی مذہبی، سیاسی قیادت کو بھی اسی طرح کا شعور عطا فرمائے جس طرح کا احساس آج ہماری اعلیٰ عدلیہ کو ہوا ہے تو امت مسلمہ کی کشتی گرداب سے جلدی باہر آ سکتی ہے۔

ہماری مزید دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عزت مآب چیف جسٹس کو قائداعظم محمد علی جناح کی طرح کے اوصاف سے مالا مال کر دے اور ان کو آج کے دور میں مسلمانوں کے لئے (عمر ثانیؒ کی طرح) قائداعظم ثانی بنا دے جو برطانوی ہند کے مسلمانوں کی ایک سو سالہ محنت کا ثمر موجودہ پاکستان کو مغرب کی غلامی کے گندے تالاب سے نکال کر اسلامی تعلیمات کے صافی چشمے کے کنارے لا کھڑا کرے تاکہ اسلام کے عدل اجتماعی کے عملی نفاذ کا خواب پورا ہو اور بانیانِ پاکستان کے ساتھ لاکھوں شہداء پاکستان کی روحوں کو سکون مل سکے۔ آمین یارب العالمین

اعتذار حکمت بالغہ کے جون 2013ء کے شمارے میں صفحہ 40 پر ''موسیٰ (علیہ السلام) سے مارکس تک'' نامی کتاب کے مصنف کا نام غلطی سے سعادت حسن منٹو لکھ دیا گیا ہے۔ کتاب کے مصنف کا نام سبط حسن ہے۔ قارئین اصلاح فرمالیں۔ (ادارہ)

صہیونیت (اسرائیل اور اس کے اتحادی)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنی ذلت آمیز جلاوطنی کا خوفناک انتقام لینے کے لئے بالکل تیار ہے؟

انجینئر مختار فاروقی

مشرق وسطی میں عرب بہار (ARAB SPRING) کے صرف دو سال بعد ہی حالات کی سنگینی اور مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت کا تختہ اُلٹ دینا یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اب اسرائیل کے لیے اپنے اتحادیوں / سرپرستوں سمیت مشرق وسطی میں سعودی عرب پر براہِ راست کارروائی کر کے چودہ صدیاں قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ذلت آمیز شکستوں اور ہزیمتوں کے ساتھ مدینے سے اخراج کا خونی انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔

جزیرۂ نمائے عرب پر کسی ایسی کارروائی سے بدامنی، خانہ جنگی اور معاشی و اقتصادی بدحالی کے ایسے حالات پیدا ہوں گے جو مشرق وسطی میں 'ھلاک العرب' یا MUSLIM ARAB HOLOCAUST IN MIDDLEEAST پر منتج ہوں گے۔ (واللہ اعلم)

عام طور پر سیاسی تجزیے حالات کا معروضی مطالعہ ہوتے ہیں اور اس میں مذہب کا عمل دخل بہت کم ہوتا ہے۔ تاہم ہم نے قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور تاریخ اسلام کے حقائق کا سہارا لے کر بات کرنے کی کوشش کی ہے۔

1۔ آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے جزیرۂ نمائے عرب (مدینہ) میں یہود کن مقاصد کے لئے آکر آباد تھے؟ کس کا انتظار تھا؟ اس انتظار کا نتیجہ کیا رہا؟ یہ سوالات الگ ہیں اور جواب بھی تفصیل طلب ہے؛ تاہم حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں اُن کے 'سہانے ابلیسی' سپنوں کا خون ہوگیا اور بدر، اُحد اور احزاب کے معرکوں کے بعد یہود کے تینوں قبائل کی مدینہ بدری اور ذلت و مسکنت کے ساتھ روانگی پھر خیبر سے بھی شکست خوردہ ہوکر پسپائی یہود کی تاریخ کا المناک باب ہے اور وہ اس 'غم' کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کرسکے۔ آج وہی 'یہود' اپنے اتحادیوں کے تعاون سے قرآن مجید، صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں (بالخصوص) سعودی عرب سے خوفناک انتقام لینے کے لئے "READY TO TAKE-OFF" پوزیشن میں آچکا ہے۔

2۔ دنیا میں تمام قومیں برابر نہیں ہیں۔ کئی قومیں اور ملک بعض اوقات دشمن کو بھی معاف کردیتے ہیں۔ مگر یہودی قوم اور اس کے افراد کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔ گزشتہ چودہ صدیاں اُنہوں نے اس کے لئے بے شمار منصوبے بنائے ہوں گے اور بعض پر عمل درآمد کرکے جزوی کامیابیاں بھی حاصل کی ہوں گی مگر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ یہودی (بنی اسرائیل) دوسری قوموں کے برعکس اپنے لئے صدیوں کی منصوبہ بندی کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور اس پس منظر میں دشمن کے خلاف ہر دم چوکس اور فعّال رہنے والی قوم ہیں اور کبھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

3۔ اُوپر درج عنوان کے الفاظ میں ہم نے اسرائیل اور اس کے اتحادیوں اور سرپرستوں کی جن تیاریوں کی طرف اشارہ کیا ہے اُن تیاریوں کا ہدف تاریخ کے کچھ واقعات ہیں جو جزیرۂ نمائے عرب میں آج سے چودہ صدیاں پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے۔ یہ واقعات پے بہ پے ہزیمتوں اور شکستوں کا ایک سلسلہ تھا جو بالآخر اہل کتاب (بنی اسرائیل) کے اس بگڑے ہوئے گروہ کے اپنے انسان دشمن اور اخلاق دشمن رویّوں کی بنا پر آسمانی بادشاہ (اللہ تعالیٰ) نے ان پر مسلّط کردی تھیں۔

ان ہزیمتوں اور ذلت آمیز پسپائیوں کے اپنے اسباب ہیں مگر عالم اسباب میں بنی اسرائیل کے خلاف یہ آسمانی سزا اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں سامنے

آئی۔ یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ ایک عشرے کے سالوں پر پھیلی ہوئی یہ عبرت ناک داستان کے اوراق تاریخ عالم میں حضرت محمدﷺ، آپ کی لائی ہوئی کتاب اوراہل ایمان کے لئے کامیابیوں اور کامرانیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے تو ــــــ دوسری طرف بنی اسرائیل کے اس انسان دشمن خدا بیزار، وحی بیزار گروہ کے لئے رُوسیاہی کا اعلان ہے۔

4۔ دنیا کی دیگر اقوام ان واقعات کو بھول گئی ہیں۔ مسلمان بھی وقت کے ساتھ ساتھ اپنی کامرانیوں کے ان عظیم واقعات کا کبھی کبھی تذکرہ کرتے ہیں بلکہ عام دینی لٹریچر میں یہودیت یا صہیونیّت کا اس انداز میں تذکرہ نہیں ملتا جس کا یہ 'منحوس' طبقہ مستحق ہے۔ اکثر جگہوں پر سکولوں کے نصاب سے بھی ایسی آیات کو نکال دیا گیا ہے جس میں یہود کی توہین اور ذلت و مسکنت کا پہلو نکلتا ہو ــــــ لیکن خود یہودیّت ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتی اور نہ وہ اپنی نئی نسل کو اس سے نابلد رکھنا چاہتی ہے۔ ان کے بچے بچے کی زبان پر حضرت محمدﷺ کے یہود پر 'مظالم' کا چرچا ہوتا ہے اور اپنی مظلومیت کی جھوٹی داستان ازبر ہوتی ہے تاکہ مسلمانوں کے خلاف نفرت ان (یہودی نوجوان نسل) کے خمیر میں داخل ہو جائے اور ان کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔

5۔ یہود یا بنی اسرائیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے لقب 'اسرائیل' کی وجہ سے بنی اسرائیل (CHILDS OF ISRAEL) کہلاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بڑی عزت دی اور تاریخ میں مواقع دیے تاکہ یہ آسمانی ہدایت کے پیرو بن کر خود بھی اللہ کے 'محبوب' بن جائیں اور خلق خدا کو بھی ابلیس کے شکنجے سے نکال کر حیوانیت سے انسانیت کی طرف لے آئیں اور نورِ ہدایت کو عام کر دیں۔

- مگر افسوس کہ اس گروہ نے 'حزب الشیطٰن' کا روپ دھار لیا اور کبھی تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے خاموش ہوئے بھی تو موقع ملتے ہی پھر خدا بیزار، دین دشمن، وحی دشمن اور اخلاق دشمن رویوں پر اُتر آئے۔
- قرآن مجید میں ان کے دو دفعہ عروج کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بطور 'احسان' کیا ہے۔ مگر شومئ قسمت کہ بنی اسرائیل مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی روش ہی اپنائے رہے۔ (17--04-09)

● ان کے جرائم میں ایک عظیم جرم قتل انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ جو بڑا گھناؤنا جرم ہے اور اسی کی وجہ سے یہ 'مغضوب علیہم' گروہ بن گئے۔

● یہ گروہِ بنی اسرائیل مجموعی طور پر 2000 سال (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تک آسمانی ہدایت کا علمبردار رہا مگر ـــــــ عملی طور پر نافرمان بلکہ دین دشمن۔ قرآن پاک میں ان کے اس دور کا مختصر الفاظ میں یوں نقشہ کھینچا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ O

(المائدۃ۔13)

''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلماتِ کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور ایک چھوٹے گروہ کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کو معاف کر کے اور (ان سے) درگزر کر کے ان احسان کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست دیکھتا ہے''

6۔ بنی اسرائیل کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا رویہ رہا یہ بھی ایک المناک داستان ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے لے کر مدینہ آمد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

● حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ میں آباد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کا وعدہ فرمایا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر پورا ہو گیا۔

● مسلمانوں کے لئے یہود کو پہچاننے اور ان کی نفسیات سے باخبر رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہی بڑا معقول بندوبست کر دیا ہے۔ سورۂ فاتحہ بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں وارد الفاظ پر تمام مفسرین کا اتفاق یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور میں ہی مسلمانوں

کو یہ بات بتا دی تھی کہ اس مغضوب علیہم گروہ کا مصداق یہودی ہیں۔ پھر 11 نبوی میں نماز فرض ہوئی تو یہ سورت گویا مسلمانوں کا 'وظیفہ' قرار پا گئی اس لئے کہ اس سورت کو پڑھے بغیر نماز کی کوئی رکعت ہو نہیں سکتی اور دورِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر مسلمان نمازی ہوتا تھا۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان مرد و زن بچہ، بوڑھا، جوان اس حقیقت سے واقف کرا دیا گیا تھا کہ یہود کی حقیقت کیا ہے؟۔

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہودی آپ کو پہچاننے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ قرآن مجید نے ان کے لئے 'شقاق' (ضد) کا لفظ استعمال کیا ہے اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا کر جنت کے دروازے میں قدم رکھتے رکھتے اُلٹے پاؤں ہٹ کر جہنم میں جا داخل ہونے پر ـــــ 'فَمَا اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ ' (آگ کو کیسے برداشت کرنے والے ہیں 02-176) کا تبصرہ فرمایا ہے جو بڑا گہرا اور معنی خیز ہے۔

- مسلمانوں کے لئے مدینہ کے ماحول میں جبکہ وہاں یہود کے تین قبیلے صدیوں سے آباد تھے، الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت نبوی کا یہ شاہکار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو میثاقِ مدینہ میں باندھ لیا اور یہود نے نہ معلوم کیوں (اپنی کسی مصلحت کے تحت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ الگ معاہدے کرنا پسند کیا (شاید بعد کے حالات ان کا طے شدہ پروگرام ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے اپنے حکیمانہ طرزِ عمل میں قبول فرما لیا جو بعد کے حالات میں مسلمانوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

- مسلمانوں کو مدینہ کے ماحول میں یہود کی تاریخ سے روشناس کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں پہلے پارے میں ہی دس رکوع میں ان کا تفصیل سے تذکرہ کر دیا ہے تا کہ جو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے کہ مسلمانو! ـــــ تمھیں کس قسم کے شریر 'دشمن' سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور یہ بات مسلمانوں نے پلے باندھ لی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں اس مسئلہ پر کبھی اختلاف نہیں ہوا اور کبھی دو رائیں سامنے نہیں آئیں۔ تاریخ اسلامی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بالواسطہ یا بلاواسطہ زبان درازی کی اصل وجہ یہی ہے۔

- پہلے پارے میں یہود کا تذکرہ اصلاً اس پہلو سے ہے کہ 2000 سال تک یہود ایک 'اُمت مسلمہ' کی حیثیت سے دنیا میں پہچانے جاتے رہے ہیں اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اب مسلمانوں کو 'اُمت مسلمہ' کا منصب عطا کر دیا ہے اور یہود کو معزول کر دیا گیا ہے (اور یہ معزولی ان کے اپنے جرائم کی وجہ سے ہوئی ہے) اب اُمت مسلمہ کی حیثیت سے آپ ﷺ مسلمانوں کے رہنما ہیں۔ قرآن مجید مسلمانوں کی کتاب ہے اور 'حرم مکی' مسلمانوں کا قبلہ ہے اور یہ امت اب آخری اُمت قرار پانے والی ہے (آپ ﷺ پر ختم نبوت کے اعلان والی آیت سورۂ احزاب میں ہے جو 5ھ میں نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی علیہ السلام اور آپ کی اُمت آخری اُمت قرار پا گئی۔)

- اپنے جرائم کی پاداش میں اپنے منصب سے معزولی کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہود پر بڑا رحم فرمایا اور موقع دیا کہ اب بھی اگر تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ تو یہ تمہارے لئے آخری سنہری موقع (GOLDEN CHANCE) ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے دے گا۔ (8-17)
- مگر افسوس کہ یہود دنیا کے عام معیار کے مطابق بھی کسی اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ کھیل کے میدان میں یا الیکشن میں ہارا ہوا اُمیدوار اگر جیتنے والے شخص کو آگے بڑھ کر مبارکباد دے دے اور اس کی فتح کو تسلیم کر لے تو دنیا جانتی ہے کہ یہ اعلیٰ اخلاق کا ایک نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہود ـــــ حضرت محمد ﷺ کی دشمنی میں اس بُری طرح غلطاں و پیچاں تھے کہ اپنے فائدے کے لئے بھی یہ کام نہ کر سکے اور سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں وارد الفاظ کا مصداق بن گئے [وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا (اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (سلوک) کریں گے]
- جنگ بدر سے پہلے یہود نے کیا کیا اور کس طرح مکے والوں کو ابھارا اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے اسی مجرمانہ سوچ کے تحت یہود کو بدر میں مسلمانوں کی فتح ہضم نہیں ہو پا رہی تھی کہ بنی قینقاع کے ہاں ایک مسلمان عورت کی اُنہوں نے اہانت کر دی جس سے بات بڑھ گئی اور بالآخر آپ ﷺ نے فوجی کارروائی کر کے بنی قینقاع جو عین وسط مدینہ میں آباد تھے (جو آج کل کی مسجد نبوی کا شمالی حصہ ہے) وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ اس پر اُن کے رویے میں کوئی افسوس یا معذرت یا شرمندگی یا توہین رسالت کے جرم کا احساس اور کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔
- اس کے بعد بات ختم نہیں ہوئی بلکہ بنی نضیر نے اس کشاکش کو آگے بڑھایا اور جنگ اُحد سے قبل اور اس کے دوران اپنے طے شدہ منصوبے کے تحت مسلمانوں کو زک پہنچانے کے

پورے انتظام کردیے اہل مکہ کو ابھارا، بلایا اور پوری مدد دینے کے وعدوں کے ساتھ میدان اُحد میں پہنچا دیا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مسلمانوں کو کافروں سے مقابلے کے لئے اُحد کا میدان منتخب کردیا (ورنہ یہودی منصوبہ ویسا ہی تھا جو بعد میں جنگ خندق کے موقع پر تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خندق کھودنے کے ذریعے ناکام بنادیا۔)

جنگ اُحد میں مسلمانوں کو وقتی ہزیمت اُٹھانا پڑی مگر یہود کا کردار سامنے آ گیا۔ آپ ﷺ نے بنی نضیر کے علاقے پر چڑھائی کردی اور جنگ کی صورتِ حال پیدا ہوگئی، امن معاہدے کے باوجود کوئی شرمندگی کے آثار یہود کے طرزِ عمل سے ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ سورۂ حشر کے بیان کے مطابق اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور جلاوطنی قبول کرلی۔ آپ ﷺ نے ان کو تمام منقولہ جائیداد (MOVEABLE PROPERTY) ساتھ لے جانے اجازت دے دی، جس سے وہ خود اپنے مکان گرا کر قیمتی سامان ساتھ لے جارہے تھے۔ قرآن مجید نے تبصرہ فرمایا: فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَار (اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو)۔ قرآن پاک میں اُحد کے قبل اور مابعد یہود کے طرزِ عمل پر بڑا سخت تبصرہ آیا ہے اللہ کا غضب جوش پر ہے جس سے یہود کی سازشوں کی کثرت اور منصوبہ بندی ظاہر ہوتا ہے اس کیفیت کے بیان میں یہ الفاظ آئے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ

''جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کو سخت عذاب ہوگا اور اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے''۔ (03--02) گویا آئندہ حالات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل (یہود) سے ان کے جرائم کا انتقام لینے والا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من غضبه

- مکے والوں کا یہود کے تعاون سے تمام اہل عرب سے 'اتحادیوں' کے ساتھ مدینہ پر حملہ کا ارادہ تھا اور اُنہوں نے دس ہزار کے لشکر کا انتظام بھی کرلیا تھا۔ مگر یہ بات بھی حکمت نبوی کا شاہکار ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ میں خندق کھود کر اور اس پروگرام کو بنی قریظہ سے بھی خفیہ رکھ کر کمال کردیا اور یوں ـــــــ عالم اسباب میں دشمن حملہ آور ہوا تو اس کا سارا جنگی منصوبہ پہلے ہی لمحہ ناکام ہوگیا کہ خندق آڑے آگئی یہ خندق مدینے کے شمال اور کچھ دوسرے اطراف میں تقریباً 9 کلومیٹر لمبی اور 15-16 فٹ گہری اور 15-16 فٹ چوڑی تھی تاکہ کوئی گھڑسوار بھی عبور نہ

کر سکے اور اگر کوئی اس میں گر جائے تو آسانی سے نکل بھی نہ سکے۔

- 10,000 کا لشکر آیا۔ بنی قریظہ نے اندرونِ خانہ تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی اور منصوبہ بڑا خوفناک تھا یہود کو دوسرے فائدے نظر آرہے تھے ان کے نزدیک ایک تو دس ہزار کا لشکر مدینے میں گھس کر تمام مسلمان زعماء کو تہس نہس کر دے گا اور پھر وہ لشکر جشن کے دن گذار کر واپس چلا جائے گا۔ اس طرح مدینہ پر بعد میں بنی قریظہ کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔

مگر آسمانی بادشاہت کا فیصلہ کچھ اور تھا بڑے غضب کے اس انداز میں اس صورتِ حال پر اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس رویے پر سورۂ نساء میں تبصرہ فرمایا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (04-47)

”اے کتاب والو! قبل اس کے کہ ہم لوگوں کے مونہوں کو بگاڑ کر ان کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہفتے والوں پر کی تھی، ہماری نازل فرمائی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے ایمان لے آؤ اور اللہ نے جو حکم فرمایا سو (سمجھ لو کہ) ہو چکا۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے تازیانے بھی یہود کو جگا نہ سکے اور وہ محمد (ﷺ) کی دشمنی میں اندھے، بہرے ہو کر آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

- خندق کی موجودگی میں ابلیس کا یہ منحوس لشکر مدینہ میں داخل بھی نہیں ہو سکا 28 دن کا محاصرہ رہا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر راشن ختم ہو گیا بددلی پھیل گئی یہود اور اہل مکہ میں اختلافات پیدا ہو گئے اور یوں یہ لشکر ناکام و نامراد لوٹ گیا۔

آپ ﷺ نے اتحادی لشکر کی ذلت آمیز شکست اور واپسی کے بعد بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا انہیں میثاق کا حوالہ دیا مگر انہیں کوئی شرمندگی نہیں تھی یہودی تو بقول قرآن مجید ہوتے ہی وعدہ خلاف ہیں اور وعدوں/معاہدوں سے پھر جانے والے۔ پہلے بنی قریظہ نے مقابلے کا سوچا مگر بعد میں صلح پر آ گئے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث بنا دیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

نے تورات منگوا کر معاہدوں کی خلاف ورزی کے باب سے سزا سنا کر فیصلہ کر دیا۔ فیصلہ یہ تھا کہ جو قبیلہ نقض عہد کرے اس کے تمام جوان (قابل جنگ مرد) قتل کر دیے جائیں۔ اس طرح بنی قریظہ کے 700 کے قریب افراد قتل ہو گئے مگر اُنہوں نے معافی نہیں مانگی۔

- بدر کے بعد بنی قینقاع، اور اس کے بعد بنی نضیر اور جنگ خندق کے بعد بنی قریظہ مدینہ سے جلا وطن ہوئے اور خیبر میں جا آباد ہوئے۔ آپ ﷺ نے عُمرے کا ارادہ فرمایا تو آپ کے جلو میں 1400 جانثار تھے۔ مکہ پہنچے تو عمرہ تو ادا نہ ہو سکا۔ مگر قریش نے آپ کو اب جزیرۂ نمائے عرب کی ایک طاقت تسلیم کر کے صلح کر لی جو صلح حدیبیہ کہلائی۔ یہ دس سال کے لئے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔
- مکہ سے واپسی پر آپ ﷺ نے خیبر پر حملہ کر دیا (اس لئے کہ مکہ والوں سے صلح کے بعد وہ یہود کی مدد کے لئے نہیں آ سکتے تھے) یہود تنہا رہ گئے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ یہ خیبر کا علاقہ بڑا زرخیز، آباد اور باغات کا علاقہ تھا۔ یہودی شمالی علاقہ جات میں چلے گئے آپ ﷺ نے رحلت سے قبل وصیت فرمائی تھی کہ أَخْرِجُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ (مسند بزار، عن عمر رضی اللہ عنہ) (یہود اور نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو) جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عمل درآمد ہوا۔
- آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں یہود کی یہ پے بہ پے شکستیں اور ہزیمتیں ان کے 'مغلوف' دلوں کو نہ کھول سکیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے قول 'قُلُوبُنَا غُلْفٌ' کے مطابق ایک طے شدہ منصوبے کے تحت مدینہ آ کر آباد ہوئے تھے اور آخر دم تک اس منصوبے پر عمل درآمد کرتے رہے تا آنکہ ذلیل ہو کر خیبر سے بھی نکال دیے گئے۔

7۔ تاریخ کے یہ اوراق یہود کے لئے ایک ڈراؤنا خواب ہے اور مدینہ، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ قرآن مجید اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ماننے والے ہمیشہ یہود کے لئے 'قابل نفرت' رہے ہیں۔

- تاریخ میں بنی اسرائیل نے دورِ نبوی ﷺ میں، دورِ خلافت میں اور اس کے بعد کئی صدیوں میں کیا کیا خوفناک منصوبے بنائے وہ بیان سے باہر ہیں (جبکہ اس عرصہ میں یہود کے

پاس کوئی علاقہ یا حکومت نہیں تھی)اب مئی 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد مشرقِ وسطیٰ کے عین قلب میں ان کے پاس ایک خطہ زمین ہے جہاں وہ جدید اسلحہ کے ساتھ مصر، سعودی عرب، اُردن، عراق، امارات، شام، لبنان، ایران، ترکی سب کے لئے فوجی کاروائیاں کرکے بدلے لینے کی پوزیشن میں آچکا ہے۔

- تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی رہی کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی سیاسی و عسکری سرگرمیوں کا مرکز مدینہ رہا پھر خلافت راشدہ کے اواخر میں ہی یہ مرکز پہلے کوفہ اور پھر دمشق منتقل ہوگیا جس سے اسلام دشمن قوتوں کی کارروائیوں کا ہدف بھی مسلمانوں کے سیاسی مراکز ہی بنے رہے اور مدینہ النبی ﷺ محفوظ رہا۔

- بیسویں صدی میں صہیونی برطانوی سامراج نے نیشنلزم کا راگ آلاپا جمہوریت کا بگل بجایا تو مشرقِ وسطیٰ میں خلافت ختم کرکے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کرادیں جو اسرائیل کے لئے کوئی خطرہ نہ بن سکیں پھر اسرائیل کا قیام ہوگیا۔ سعودی عرب کا دارالحکومت اگرچہ ریاض ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے اہم شہر جدہ، مکہ المکرّمہ اور مدینہ منورہ ہی ہیں۔ لہٰذا دشمن کے لیے حرمین شریفین پر عسکری نقطہ نظر سے کارروائی قابل عمل ہی نہیں بلکہ اس کی اوّلین ترجیح ہے۔

8۔ اسرائیل نے اپنی تاریخ سے مسلمانوں سے انتقام کا سبق کبھی نہیں بھولا۔ تاریخ عالم کے اس موڑ پر حالات نے جو صورتِ حال اختیار کرلی ہے وہ ہر پہلو سے اسرائیل اور اس کے سرپرستوں/اتحادیوں کے حق میں ہوتی جارہی ہے۔ جبکہ مشرقِ وسطیٰ میں مسلمان کم نہیں ہیں مگر مسلم ریاستوں کی باہمی رنجشیں، رقابتیں اب سب کے سامنے ہیں پھر یہ سب امریکہ کے غلام ہیں۔ مزید برآں نائن الیون کے بعد سے ان مسلمان عرب ممالک کے سیاسی حالات اضطراب، بدامنی اور خانہ جنگی کا شکار ہیں۔

- یہ سلسلہ عراق سے شروع ہوکر اب اُردن، شام، لبنان، ترکی، مصر، لیبیا، الجزائر، مراکش، صومالیہ، یمن، بحرین وغیرہ سب میں پھیل چکا ہے اور سعودی عرب کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ بظاہر سعودی عرب کے حالات پرامن ہیں مگر اندرون خانہ کی کیفیات زیادہ دل خوش کن نہیں ہے۔

ان ممالک کی خوشحالی اپنی جگہ مگر ان ممالک کی عسکری قوت امریکہ کی مرہونِ منّت ہے جو اسرائیل کا سرپرست اعلیٰ ہے۔

- اس پر مستزاد یہ کہ امارات، کویت، اُردن اور سعودی عرب میں بادشاہت قائم ہے جس کی بنیادیں عوام میں گہری نہیں ہیں اور شاہی خاندان کے لوگ اربوں ڈالر کے مالک ہیں اور یہ ساری دولت امریکہ میں ہے۔ چنانچہ یہ دولت ایک اندازے کے مطابق 25000 ارب ڈالر سے 35000 ارب ڈالر کے درمیان ہے۔ اگر امریکہ کی اقتصادیات کو روس کی طرح کوئی جھٹکا لگ جائے (جیسا کہ 2009ء میں لگا تھا) تو ان شاہی خاندانوں کی ساری دولت ڈوب جائے گی اور کسی فوجی کارروائی کے بغیر ہی یہ سلطنتیں زمین بوس ہو جائیں گی۔

9۔ اسرائیل کے عزائم

ملک اسرائیل یا اس کے اصل داعی بنی اسرائیل اپنے اتحادیوں (پرانے اور نئے) سمیت کچھ قومی اور اجتماعی عزائم رکھتے ہیں جن کا ادراک غیر مسلم اقوام تو کر نہیں سکتی اس لئے کہ وہ یہود کی 'حقیقت' کو نہیں سمجھ سکتیں۔ (یہود کے منحوس کردار پر آج تک جس نے بھی قلم اُٹھایا ہے اس کو نشانِ عبرت بنادیا گیا اور اس کی کتاب کو دنیا سے غائب کر دیا گیا۔ صرف مسلمانوں کے پاس ایک کتاب ہے 'قرآنِ مجید' ـــــ یہ کتاب حضرت محمد ﷺ پر اُتری تھی آسمانی وحی ہے لہٰذا یہ کتاب دنیا سے غائب نہیں ہو سکتی کہ آخری کتاب ہے۔ پھر حضرت محمد ﷺ کے فرامین ہیں وہ اس کتاب کے معلّم کے ذاتی مشاہدات وتاثّرات ہیں۔ کتب احادیث میں وارد یہود (بنی اسرائیل یا اہل کتاب) کے جرائم کی کیفیات ناقابل تردید ہیں۔ قرآن مجید بھی یہود کے ٹارگٹ پر ہے آئے دن اس کی توہین ان کا شیوہ ہے۔ صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ ان کے لئے کارٹونوں کا موضوع ہے اور اس کے لئے عالمی مقابلے کراتے رہتے ہیں اور مسلمان مشرق وسطیٰ کے یہود (بنی اسرائیل) کے لئے لقمہ تر ہیں کہ آج دنیا میں مغلوب ہیں۔ یہ قرآن مجید دنیا میں موجود واحد زندہ کتاب ہے جو یہود کے جرائم اور ان کے انسان دشمن، اخلاق دشمن، خدا بیزار، وحی بیزار، منصوبوں عزائم اور طرزِ عمل کو اُجاگر کرتی ہے اور قیامت تک کرتی رہے گی۔

اسرائیل کے عزائم کی تفصیل

- عالمی سلطنت کا قیام
- ہیکل سلیمانی کی تیسری تعمیر نو(THIRD TEMPLE)
- ملک اسرائیل کا قیام، استحکام اور ایک وسیع تر اسرائیل(GREATER ISRAEL) کا قیام جس میں مصر، مدینہ منورہ، عراق، اُردن، ترکی کا جنوبی حصہ ایران کے علاقے فلسطین لبنان وغیرہ شامل ہیں۔

10۔ عالمی سلطنت کا قیام

اسرائیل (یہود) اور اس کے اتحادیوں نے گزشتہ چار صدیوں سے کاغذی طور پر اور نصف صدی سے عملی طور پر ایک غیر مرئی عالمی حکومت قائم کر رکھی ہے۔ اٹھارویں صدی میں یورپی استعمار کا عالمی پھیلاؤ اس یہودی منصوبہ کا حصہ تھا۔ مغرب میں شائع شدہ CLASH OF CIVILIZATIONS (تہذیبوں کا تصادم) نامی کتاب کا مصنف SEMOIL P. WATINGTON لکھتا ہے:

> ''............1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا، جس کو ''فوجی انقلاب'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب میں برتری کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا تھا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کرتے۔''
>
> (صفحہ 42۔ تلخیص و ترجمہ: عبدالمجید طاہر)

گویا فرانسیسی، برطانوی، اطالوی اور پرتگالی سامراج کے پیچھے ایک ہی طاقت تھی اور وہ یہود تھے جو اپنے عالمی غلبے کے لئے ان یورپی اقوام کو ڈھور ڈنگروں کی طرح ہانک کر ان سے اپنا کام لے رہے تھے۔

- یہ عالمی سلطنت بیسویں صدی میں میڈیا کی ترقی اور اطلاعات کی تیز رفتار منتقلی کے

باعث بہت مستحکم ہوگئی ہے۔اس پر اضافہ یہ ہوا کہ تین عشرے پہلے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی ترقی اور ہر کام میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے استعمال نے پیچھے چھپے استعماری ذہن کے لئے ہر ایک کو کنٹرول کرنا آسان بنا دیا۔آج دنیا کے کسی کونے میں کوئی شخص اگر انٹرنیٹ استعمال کرتا ہے تو اس کی ساری معلومات ایک مرکزی جگہ مستقل موجود ہوتی ہیں اور وہ جمع ہوتی رہتی ہیں۔

اسی طرح تجارتی اور صنعتی میدان میں سامانِ تجارت کا بنانا اور فروخت کرنا ایک منظّم انداز میں عالمی یہودی اداروں نے کوالٹی کنٹرول کے نام پر اپنے قبضے میں کر لی ہے۔اب ISO 9000، اور اس قسم کے دیگر WTO کے ضابطوں کے تحت جو صنعتی سامان بنتا ہے وہ یہودی ریکارڈ میں ہے اور جو سامان ان کو بائی پاس کر کے (نظر انداز کر کے) بنتا ہے اس کی عالمی مارکیٹ میں کوئی پذیرائی نہیں ہوتی کہ کوالٹی کا کوئی بھروسہ نہیں۔

اسی طرح امریکی ڈالر عالمی تجارت کا نشان ہے اور دنیا بھر میں تجارت اسی میں ہو رہی ہے گویا یہ ایک عالمی کرنسی ہے۔آج سے پہلے تاریخ انسانی میں پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔

گویا عملاً پورے گلوب پر ایک غیر مرئی صہیونی استعماری قوت قابض ہے جو اس کو اپنے مقاصد کے لئے بری طرح استعمال کر رہی ہے۔پورا بینکنگ کا نظام انہیں کے کنٹرول میں ہے اور اس طرح عالمی اقتصادی وسائل پر مکمل طور پر قابض ہیں۔اب صرف اس عالمی حکومت کا مرکز اسرائیل منتقل کرنا باقی ہے۔

11۔ ہیکل سلیمانی (THIRD TEMPLE) کی تعمیر

یہود کا دورِ عروج حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ ہے۔حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک عبادت گاہ کی تعمیر کی ابتداء کی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیغمبرانہ شان اور شاہانہ وسائل میں اس ہیکل (عبادت گاہ) کو تعمیر کیا تھا، جس کو دورِ زوال میں عراق کے بادشاہ نمرود نے گرا دیا تھا۔150 سال کی غلامی سے آزادی کے بعد دوبارہ بیت المقدس آباد ہوا اور مکابی سلطنت قائم ہوئی، یہ ہیکل بھی دوبارہ نئی شان وشوکت سے تعمیر کر لیا گیا۔مگر بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے گروہ کے جرائم اور بالخصوص اللہ سے کئے گئے وعدوں کی خلاف ورزی اور قتل انبیاء کے جرم میں شمال سے آشوری اور رومی آئے جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلام

بنالیا۔ بعدازاں ہیکل سلیمانی دوسری مرتبہ گرادیا گیااور یہود کو بیت المقدس سے اپنے جرائم کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے جلاوطن کردیا۔

یہودی 70ء سے بیت المقدس سے نکلے تو پھر 1948ء میں انیس صدیاں بعد دوبارہ آکر غاصبانہ طور پر آباد ہوئے۔اب 65 سال سے ان کا ملک ہے وسائل ہیں مگر ہیکل سلیمانی کی تیسری تعمیر روبعمل نہیں آسکی کیونکہ پہلے قبۃ الصخرہ کو گرانا ہوگا تب وہ ہیکل اپنی اصل بنیادوں پر تعمیر ہوگا جس کے لئے آئے روز فلسطینیوں کا قتل عام ہوتا رہتا ہے کہ وہ بیت المقدس کا علاقہ خالی کردیں۔مگر ہنوز یہ تعمیر کا منصوبہ ابھی خواب ہی ہے اسی کے لئے اسرائیل عالمی سطح پر سازشوں میں مصروف ہے۔

12۔ اسرائیل کا استحکام اور وسیع تر اسرائیل کا قیام

اس عنوان کے بظاہر دو حصے ہیں مگر درحقیقت یہ ایک ہی عنوان کے دو رُخ ہیں یا ایک ہی سکّے کے دو رُخ کہہ لیجیے۔اسرائیل کا استحکام اس بات میں مضمر ہے کہ اسرائیل دشمنوں کو معیّن کر کے نشانہ بنائے ان کو تباہ کرے اور OFFENCE کے انداز میں وسیع تر اسرائیل بنائے (GREATER ISRAEL) تاکہ اس کے دشمنوں کے جاگنے، متحد ہونے اور خطرہ بننے سے پہلے ہی اسرائیل 'عظیم تر' بن جائے اور مقابلے پر آنے والے ملک یا ختم ہوجائیں یا اسرائیل اُن کے لئے ایک TERROR کا نشان بن رہے کہ وہ اس کا مقابلہ نہ کرسکیں۔

- **اسرائیل کا استحکام** اسرائیل کے پڑوسی ممالک سے امریکہ نے معاہدوں کے ذریعے اسرائیل کی دوستی کرا رکھی ہے مگر اس کے باوجود اسرائیل کی نفسیات میں کوئی کجی ہے کہ وہ اپنے پڑوسی ممالک کو اپنا دشمن ہی سمجھتا ہے۔
- **اسرائیل یا بنی اسرائیل کی نفسیّات کی کجی** اسرائیل کا ہر ملک کو اپنا دشمن سمجھ لینا ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے اس کی وجہ اسرائیل کا غیر انسانی، غیر عقلی اور بلا جواز قیام ہے۔ اسرائیل کا قیام ایک قوم کی 'ضد' اور 'جھوٹی انا' کی تسکین (PSCEUDO SATISFACTION) کا نتیجہ ہے۔لہٰذا داخلی طور پر اسرائیل ملک اور اس کے تمام باشندے اپنے 'ناجائز' قیام کو ہر ممکن اور جائز و ناجائز طریقے سے صحیح اور LEGITIMATE ثابت کرنے

کے RATIONALE کو تلاش کرتے رہنے کی ایک کوشش میں لگے رہتے ہیں یہی ان کی نفسیات کی کجی ہے۔اس نفسیاتی کرب کی تکلیف کو ہم یہاں زیر بحث نہیں لانا چاہتے بلکہ اجتماعی طور پر اسرائیلی ملک کی خارجہ پالیسی،دفاعی پالیسی اور اپنے اہداف کے حصول کے لئے EFFORTS کے جواز کے بہانے تلاش کرنے جیسے اقدامات کو ذرا واضح کرنا مقصود ہے۔

استحکام کے لئے اسرائیل کے اقدامات (1948ء سے 2013ء تک)

(i) 1967ء عرب اسرائیل جنگ

(ii) 1973ء کی مصر اسرائیل جنگ

(iii) مصر، اُردن، فلسطینی رہنماؤں سے کیمپ ڈیوڈ قسم کے سمجھوتے (بذریعہ امریکہ)

(iv) عراق پر امریکی حملہ (2003ء)

2003ء میں امریکہ کا عراق پر حملہ اسرائیل کے ایماء پر ہی تھا اور حقیقی امکانی وجہ اسرائیل کا قدیمی دشمن بخت نصر (NAEBUCAD NAZR) نمرود عراقی بادشاہ کا یروشلم پر حملہ (567ق م) کا جواب تھا۔جس میں عراق کو ایک فرضی دشمن تصور کرتے ہوئے اسرائیل نے عراق کو کسی بھی متوقع جارحیّت کے قابل نہیں چھوڑا۔

(v) شام کے داخلی انتشار اور خانہ جنگی کی وجہ

اس صورتحال میں بھی اسرائیل کا ایک KEY رول ہے اور اس کی وجہ 100ق م سے 200ق م میں بنی اسرائیل کی مکابی سلطنت پر جو آشوری حملہ آور ہوئے تھے وہ اسی علاقے کے لوگ تھے لہٰذا اسرائیل نے بخت نصر کی طرح آشوریوں کے حملوں کا دو ہزار سال بعد سہی بدلہ لینے کی تیاری کر لی ہے اور میدان تیار کیا جا رہا ہے۔ایران،حزب اللہ اور شامی حکمران ایک طرف اور جہادی گروپ دوسری طرف ہیں۔ دونوں فریقوں کے درمیان اس جنگ کا فائدہ شام کے کمزور ہونے کی صورت میں اسرائیل کو پہنچ رہا ہے اور ہر صورت میں بنیادی رول بھی اسرائیل کا ہی ہے۔

(vi) ترکی میں داخلی انتشار اور حالات کی سنگینی

گزشتہ ایک سال سے ترکی اور اسرائیل پہلے دھیمے دھیمے اور اب ذرا نمایاں طور پر اپنے اختلافات کی بنا پر انتہائی کھچاؤ (TENSION) کی کیفیت تک آ گئے ہیں۔اسرائیل نے

خود یہ حالات پیدا کیے ہیں اور اس کو آگے بھی بڑھا رہا ہے (حالانکہ ترکی واحد مسلمان ملک ہے جس نے اسرائیل کی حکومت کو تسلیم کر رکھا ہے)۔

درحقیقت بنی اسرائیل پر پہلے رومیوں نے غارت گری کی تھی پھر 70ء میں رومی جنرل ٹائٹس نے حملہ کر کے یروشلم تباہ کر دیا تھا اور بنی اسرائیل (یہود) کو پہلے قتل کیا اور زندہ لوگوں کو جلاوطن کر دیا جس کی وجہ سے وہ 70ء سے لے کر 1948ء (قیام اسرائیل ملک) تک جلاوطنی یا اُن کے اپنے الفاظ میں دورِ انتشار (DIASPORRA) کی کیفیت میں رہے جس کا انہیں بڑا دکھ ہے (یاد رہے کہ آج کل روم اٹلی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ دورِ خلافت راشدہ تک شام فلسطین اور موجودہ ترکی اور اس کے اُوپر کا بہت سارا یورپی حصہ روم ہی کہلاتا تھا۔ شہنشاہِ روم کا ایک دارالحکومت شام میں (غالباً حمص کے مقام پر) تھا اور دوسرا موجودہ استنبول کے مقام پر ایشیا اور یورپ کے مقام اتصال پر قسطنطنیہ کے نام سے مضبوط قلعوں پر مشتمل ـــــــ اس علاقے کو بھی اسرائیل نے انتہائی خطرہ کا علاقہ (RED ZONE) مارک کر رکھا ہے اور اس علاقے کو غیر مستحکم کر کے کمزور کرنا اس کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے۔

- شام اور ترکی کے خلاف ان تزویراتی اقدامات کا ایک پہلو بنی اسرائیل یہود یا صہیونیت کے لئے اہم ہے جس کے لئے اسرائیل اپنے منصوبے آگے بڑھا رہا ہے۔ اسی علاقے سے متعلق ایک ظلّی اور عکسی پہلو ہے جو مسیحی دنیا اور مسیحی یورپ کے لئے بھی ایک ڈراؤنا خواب ہے، جس کے لیے یورپی یونین بھی اس میں سرگرم ہے۔

خلافت راشدہ کے دوران اور دورِ بنی اُمیہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں رومی سلطنت کے ایشیائی مقبوضات ختم ہو گئے شام و فلسطین کے علاوہ شمالی افریقہ کے علاقے بھی مسلمانوں نے فتح کر لئے جس کا مسیحی قیصر روم کے پیروکاروں (آج کی مسیحی برادری) کو بڑا دُکھ ہے۔ پھر 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے رومی سلطنت کا ہی خاتمہ کر دیا جس سے 'قیصریّت' کا نام و نشان مٹ گیا۔ لہٰذا اسرائیل کے ان شام، ترکی وغیرہ کے علاقے میں مسلمانوں کو پریشان کرنے کے اقدامات کی مسیحی اور یورپی برادری بھی پوری حمایتی ہے اور در پردہ ساتھ ہے مسیحی یورپ کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ ترکی عرصے سے سیکولر ہو کر اپنے آپ کو یورپی یونین میں

شمولیت کے منتیں کررہا ہے اوران کا ہر مطالبہ مان رہا ہے اور آدھا ترکی ہے ہی یورپ میں مگر مسیحی یورپ کی فراخدلی اور مسلم ہُڈ (MUSLIMHOOD) کے ساتھ برادرانہ تعلقات کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے کہ یورپ میں سیکولر مسلمانوں کی حکومت بھی برداشت کرنے کو تیار ہی نہیں۔

اسی مسیحی یورپ نے پہلے سپین میں مسلمانوں کے زوال کے بعد مسلمانوں کو ختم کیا اور شام اور ترکی سے بھی اسرائیل کو سامنے کرکے جبکہ یورپی یونین اور دیگر مہروں کے ذریعے ان دو ممالک سے مسلمانوں کا خاتمہ اصل پیشِ نظر ہے۔

- وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ دنیا کے نقشہ میں دیکھیں رومی سلطنت کا سارا علاقہ روس، جارجیا سمیت (جہاں سدّ ذوالقرنین ہے) یورپ کا حصہ ہے یہ تو صرف گزشتہ صدی سے ترکی کے زوال کے بعد ترکی اور شام لبنان فلسطین کو ایشیا میں شمار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں مسلمانوں کا خاتمہ کیا جا سکے، یورپ میں شامل کرلیں پھر ان ممالک کا STATUS ایسا ہوجاتا ہے کہ وہ اس طرح کی جارحیت نہیں ہوسکتی۔

شام اور ترکی کی موجودہ خانہ جنگی اور عدمِ استحکام کی اصل وجہ بنی اسرائیل (یہود) کے آشوریوں اور رومیوں حملہ آوروں کو نشانِ عبرت بنانا ہے جبکہ مسیحی بھی مسلم دشمنی میں اسرائیل کا ساتھ دے رہے ہیں کہ مسلمان رومی بادشاہ قیصر روم کی سلطنت کو ختم کرکے مسیحی اقتدار کے زوال کا باعث بنے تھے۔ شام اور ترکی میں حالات کی خرابی یورپی یونین اور اسرائیل کے باہمی گٹھ جوڑ اور ابلیسی ایجنڈا پر اتفاق کا نتیجہ ہے (جس کا اسرائیل کے خاتمے سے کم کسی OPTION پر حل ممکن ہی نہیں)۔

1917ء میں عثمانی حکومت کے زوال اور شکست پر برطانوی جنرل ایلن بی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گھوڑے سمیت جاکر کہا تھا کہ (یورپی مسیحی عوام اور حکومتوں نے مذہبی جنونی جنگ (صلیبی جنگ) کا سہارا لے کر مسلمانوں سے 1087ء میں بیت المقدس چھین لیا تھا۔ جس میں یہود کی سازش موجود تھی جسے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے 1190ء میں واپس حاصل کرلیا تھا۔ جس کا مسیحی یورپ اور اُن کے سرپرست یہود یعنی صہیونیت کو بڑا دُکھ تھا) LOOK SALADIN WE HAVE COME.۔ شام اور ترکی کی موجودہ صورتحال کے آخر

پر بھی مسلمانوں کو اسی طرح کے جملے سننے کو ملیں گے۔ یہود اور نصاریٰ کے دلوں میں مسلم دشمنی کے جذبات کا یہ اظہار عنقریب ہونے والا ہے۔ جب یہودی (اسرائیل) اور یورپی یونین شام اور ترکی کو فتح کرلیں گے جہاں سلیمان عبدالملک اُموی (جس نے قبۃ الصخرہ تعمیر کیا جو رکاوٹ ہے اب ہیکل سلیمان کی تعمیر میں) کی قبر ہے جہاں سے پہلا لشکرِ مدینہ قیصر، حمص اور بعد ازاں قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ عثمانی خلیفہ سلطان محمد فاتح کے بارے میں مسیحی یورپ نے اپنے دل میں کیا سوچ رکھا ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار بھی اسی علاقے میں ہے اسی طرح فاتح یروشلم و دمشق حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا مزار بھی اسی علاقے میں ہے۔ یہ تاریخی حقائق آئندہ آنے والے سالوں میں دوبارہ اہمیت اختیار کرنے والے ہیں اور بظاہر مذہب کی آزادی کے علمبردار اور مسلمانوں کے خیر خواہ یہود و نصاریٰ کی بدباطن قیادت کے ذریعے یوں مسلمانوں، قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے بالواسطہ اپنے منفی اور سفلی جذبات کا اظہار کیا جائے گا۔

13۔ سعودی عرب سے انتقام

اُوپر کے صفحات میں بیان کردہ تفصیلات کے مطابق اب اسرائیل کے مزاج کے مطابق سعودی عرب اور حرمین شریفین کے بارے میں ہونے والے واقعات کی شدت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس حصے میں بیان کردہ نقاط کو بھی ہم دو حصوں میں سامنے لانا چاہیں گے۔

(ا) قیامِ اسرائیل سے 2013ء تک

- اس عرصے میں اسرائیل نے سعودی عرب کے رویے میں بنیادی تبدیلی پیدا کردی ہے جسے محاورے میں ایک سو اسی درجے کی تبدیلی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے وقت سعودی عرب کا روّیہ خالص عربی تھا جس سے اسلام کی حقانیت اور غلبے کی جھلک تھی بدویانہ جرأت تھی اور غازیانہ للکار تھی۔ جو وقت کے ساتھ اب ایک ٹھنڈے ماحول میں صرف نظریاتی اختلاف کا ایک موضوع رہ گیا۔ عملی زندگی میں اس کا کوئی عمل دخل باقی نہیں رہا۔
- مئی 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد فلسطین میں ایک جنگ (جہادِ فلسطین)

ہوگئی تھی جس میں سارے عرب کے سرفروشان اسرائیل کے خلاف عربوں کی مدد کے لئے میدان میں نکل آئے تھے۔اس کی تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے کہ اب تاریخ کا باب ہے۔

- جہادِ فلسطین کے وقت سعودی عرب اور امریکی حکومت کی ملاقاتیں ابتدائی مراحل میں تھیں۔سعودی عرب کے کنگ عبدالعزیز امریکہ کے صدر سے سمندری جہاز میں (سویز میں) ملاقات کر چکے تھے(اسی دوستی کے نتیجے میں ARAMCO تشکیل پا رہی تھی۔جس سے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام امریکہ نے لے لیا جس سے وہاں پٹروڈالر کا سیلاب آ گیا) اس وقت جہادِ فلسطین کے بارے میں سعودی عرب کے خیالات کا عکاس وہ خط ہے جو اسرائیل کے قیام پر کنگ عبدالعزیز نے امریکی صدر کو لکھا تھا کہ میں اپنے 75 بیٹوں سمیت اسرائیل کے جہاد میں شریک ہو کر شہادت حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

- قارئین کرام خود اندازہ لگائیں گے کہ جہادِ فلسطین کے وقت اور آج کے سعودی رویے میں بعدالمشر قین ہے۔یہ کیسے ہو گیا یہ اسرائیل کی تزویراتی اور ابلیسی ذہن کی کارستانی ہے جس کی پوری دنیا شکار ہے اور سعودی عرب کے حکمران بھی اس میں شامل ہیں۔

- اسرائیلی پالیسی کا تسلسل جاری ہے اور سعودی امریکی دوستی دراصل اسرائیل کے مفادات کے تحفظ کا دوسرا نام ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اسرائیل کے سرپرست امریکہ سے دشمنی کر کے اور اعلانِ جنگ کر کے تو شاید کوئی ملک اور قوم دنیا میں زندہ رہے اور عزت و وقار سے زندہ رہے مگر امریکہ کی دوستی کے ساتھ کسی ملک اور قوم کا باعزت مقام حاصل کر لینا ناممکن ہے اس طریقہ واردات کی بہت سی مثالیں ہیں مگر مسلمانوں میں پاکستان اور سعودی عرب کی مثالیں بہت نمایاں ہیں۔

- امریکی منصوبہ سازوں نے سعودی عرب میں پٹروڈالر کا سیلاب لا کر سعودی حکمران طبقہ اور اہل علم کو آرام پسند، عیاش، جدید سہولتوں کا رسیا بنا دیا جس سے روایتی عرب جنگی جرأت اور اسلام کی حمایت کا جذبہ کاغذوں میں یا زبان پر رہ گیا اب عملی طور پر نظر نہیں آتا۔اب سعودی عرب امریکی تاجروں اور صنعت کاروں کے لئے بہت بڑی منڈی ہے جہاں ان کو اپنے سامان کے منہ مانگے دام ملتے ہیں۔

- جو لوگ حج وعمرے کو جاتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ گزشتہ بیس سالوں میں ہی حج اور عمرے کے طور طریقوں اور رہائشی انتظامات میں کتنا فرق آ گیا اور مذہبیت کا عنصر کم اور سیر سپاٹا (TOURISM) کا عنصر بہت بڑھتا جا رہا ہے۔ سعودی عرب حرمین شریفین کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا نورِ نظر اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا ہے لہٰذا جب یہاں مذہبیت کا رنگ پھیکا پڑ جائے گا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

- امریکی دوستی کی آڑ میں اسرائیلی مقاصد کی تکمیل کا حال یہ ہے کہ سعودی عرب میں 1990ء سے تین لاکھ امریکی فوج RENTAL BASIS پر موجود ہے جس پر تقریباً 2000 امریکی ڈالر فی کس یومیہ اوسط خرچ آتا ہے جس سے سعودی عرب کا اس ضمن میں اخراجات اور ڈالر کے واپس امریکہ کی طرف بہاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ کرائے کی امریکی فوج عراق کے متوقع حملے کے لئے لائی گئی تھی، یہ اسرائیلی حملے کی صورت میں سعودی حکمرانوں کی کیا حفاظت کرے گی۔ یہ فوج تو بلکہ اسرائیل کو تمام معلومات ہر وقت فراہم کرتے رہتی ہے۔ اس صورت میں اسرائیلی کا سعودی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے عمل کا راستہ روکنے والی کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں ہے۔

- گزشتہ دو تین عشروں سے سعودی عرب میں مضطرب آبادی میں شیعہ اور روایتی حنفی مسلمان (ORTHODOX MUSLIMS) ہیں جس کا تعلق تنسیخ خلافت سے پہلے عثمانیہ سلطنت سے تھا بیدار ہو کر حکومتی امریکہ نواز پالیسوں پر اور شیعہ اور روایتی مذہبی مسلمانوں کے خیالات کے برعکس مزاروں وغیرہ کے انہدام کے معاملے کو اُچھالتے رہتے ہیں۔ اب شیعہ حضرات کو تو مجالس منعقد کرنے اور حرمین شریفین میں حرم مدنی میں علیحدہ جماعتیں کراتے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ جس سے اسرائیلی عمل دخل کا مؤثر ہونا سامنے آتا ہے۔

- سعودی حکمرانوں (شاہی خاندان) کے طرزِ بود و باش اور عوامی معیارِ زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے جبکہ یہ دورِ جمہوری دور ہے اور عوامی معلومات کا تبادلہ اخبارات وغیرہ کے ذریعے جلدی عوام تک ممکن ہے لہٰذا سعودی عرب کے عوام میں بھی ایک بے اطمینانی کا پایا جانا فطری امر ہے اور اس کا فائدہ یقیناً اسرائیل ہی اُٹھائے گا۔

- اسرائیل تزویراتی مہم کا یہ بھی حصہ ہے کہ حرمین شریفین کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کو اُبھارنا کہ اس پر تمام مسلمانوں کا برابر کا حق ہے؛ لہٰذا اس پر کسی خاندان کی اجارہ داری نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ ایک آزاد ریاست بنی چاہیئے جس میں تمام مسلمان ملکوں کے نمائندے حکمرانی کریں اور حرمین شریفین کا انتظام کریں۔ یہ فلسفہ عام مسلمان کے لئے بڑا دلکش (APPEALLING) ہے۔ اسی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے کئی سالوں سے انٹرنیٹ پر جدہ —— مکہ مدینہ پر مشتمل ایک آزاد مسلم ریاست کا نقشہ موجود ہے جو اسرائیل کی تزویراتی مہم کے حق میں ایک اہم اور ٹھوس دلیل بن سکتا ہے۔
- سعودی حکمرانوں کو بھی یہ باتیں معلوم ہوں گی مگر امریکی دوستی کا یہ کرشمہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو بھی مثبت بنا کر پیش کرتا ہے جبکہ سعودی عرب کے شاہی خاندان (اور دیگر عرب مسلم ریاستوں کے حکمرانوں کا بھی) یہ مشترک مسئلہ ہے کہ ان کے پاس بے پناہ دولت ہے مگر یہ ساری دولت امریکہ میں پراپرٹی میں INVESTED ہے یا بنکوں میں جمع ہے جس سے وہ امریکی بینکنگ سسٹم کے محتاج ہیں اور امریکہ سے کسی مہم جوئی کا خطرہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔
- اس پس منظر میں اب تک اسرائیل نے سعودی عرب کو ایسا بے دست و پا کر دیا ہے کہ اب آخری وار کرنے کے موقع پر شاید کسی کم سے کم مزاحمت کا بھی خدشہ نہ ہو۔ یہ صورت یہودی چالاکی اور صیہونی ابلیسی مکارانہ ذہن کی پیداوار ہے جس کا قرآن مجید تو خوب تذکرہ کرتا ہے مگر ہمارے حکمران اس سبق کو اپنی حکومت اور حق حکمرانی کو طول دینے کے لئے بھلا دیتے ہیں یا نظرانداز کیئے رکھتے ہیں۔

(ب) مستقبل میں اسرائیل کی انتقامی کارروائیاں

- مستقبل میں اسرائیل سعودی عرب اور حرمین شریفین کے بارے میں کیا منصوبہ رکھتا ہے اور اس کے مظاہر یا دنیا کے سامنے آنے والے واقعات (LANDMARKS) کیا ہوں گے یہ بات بہت پیچیدہ ہے۔ اس موضوع پر یا تو دفاعی ماہرین گفتگو کرسکتے ہیں یا عالمی حالات کے جاننے والے سفراء اور عوامی نمائندے، ریٹائرڈ فوجی عہدیدار وغیرہ۔ بغیر ثبوت کے کوئی بات کرنا جس کی بنیاد صرف وجدان ہو انسان کے لئے مشکلات پیدا کرسکتی ہیں۔

● یہاں پہنچ کر راقم صرف احادیث مبارکہ میں وارد قربِ قیامت کے واقعات کا تذکرہ سامنے رکھ کر چند اہم باتیں قارئین کرام کے سامنے رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسا کرنے میں پہلی سہولت یہ ہے کہ راقم کو اس واقعہ کے زمینی شواہد دینے کی فوری ضرورت نہیں رہے گی اس کا ثبوت فرمانِ رسالت ﷺ ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ آپس کے اختلافات اور کج بحثی کے امکانات بھی کم ہو جائیں گے اور تیسرا یہ کہ اختلاف اور بحث بڑا محدود ہو کر مثبت اور تعمیری رہ جائے گا جو ان شاء اللہ سب مسلمانوں کو فائدہ دے گا۔

☆ حدیث جبرئیل میں ہے کہ (عرب کے بدوؤں کو) تو دیکھے گا کہ ننگے پاؤں ننگے بدن بکریاں چرانے والوں کے پاس اتنا پیسہ آ جائے گا کہ وہ اُونچی اُونچی مضبوط عمارات کی تعمیر میں مسابقت کریں گے اور لونڈیوں (گھریلو ملازمہ) کے بطن سے مالک کی اولاد کثرت سے ہوگی۔

● اشراط الساعۃ والی حدیث میں ہے کہ ایک دابہ ظاہر ہوگا اس کو لوگ خریدیں گے بیچیں گے نشان زد کریں گے اس پر فخر کریں گے (ترمذی) اسی قسم کا دابہ صفا پہاڑی کے نیچے سے نکلے گا۔ حرمِ مکی کی توسیع ثانی (شاہ فہد کے زمانے میں) کے دوران ایک سرنگ بنا کر صفا پہاڑی کے نیچے سے ٹریفک نکالی گئی ہے۔ یہ بھی جدید سہولیات اور ترقی کے واقعات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

● اشراط الساعۃ والی حدیث (مسند احمد، عن حذیفہؓ) میں وارد ہے کہ دنیا میں تین جگہوں پر بڑے وسیع رقبے (20-30 ہزار مربع کلومیٹر کے علاقے) زمین میں بیٹھ جائیں گے۔ ایک خسف عراق میں ہوگا، دوسرا عرب کے مغرب میں اور تیسرا جزیرۃ نمائے عرب میں۔ یہ تینوں علاقے آج دنیا کے اہم اور بڑے تیل کے ذخائر والے (OIL PRODUCING) ممالک ہیں۔ گزشتہ سات دہائیوں سے یہاں سے 4-10 ملین بیرل تیل روزانہ نکالا جا رہا ہے۔ 10 ہزار ملین بیرل اگر زمین پر جمع کر دیے جائیں تو کتنا لمبا چوڑا مکعب بن جائے گا اتنا خلا زمین میں روزانہ پیدا ہو رہا ہے اور ساٹھ سالوں میں کتنا بڑا خلا پیدا ہوا ہے جو صرف کسی قدرتی بناوٹ (INTERNAL STRATA MECHANISM) کی وجہ سے ظاہر نہیں ہو رہا۔ کسی جنگ یا ایٹمی دھماکہ کی وجہ سے یہ علاقے بیٹھ جائیں گے۔ ایک خسف سعودی عرب کے تیل کے علاقے میں بھی ہوگا جس سے کوئی 30-50 ہزار مربع کلومیٹر کا علاقہ زمین میں کئی سو فٹ دھنس جائے گا۔

کیا عجب یہ وہی علاقہ ہو جہاں 'امریکی' فوج خیمہ زن ہے۔

- ترمذی شریف میں روایت ہے کہ قربِ قیامت میں ایسے جنگی حالات پیدا ہوں گے کہ تمام عرب (حضرت محمد ﷺ کے زمانے کے عرب علاقوں میں آباد) ہلاک (ARAB HOLOCAUST) کردیے جائیں گے۔
- ایک روایت میں ہے کہ کسی جنگ یا خانہ جنگی کی وجہ سے حج موقوف ہو جائے گا۔
- بخاری شریف میں ہے کہ ایک حبشی مقتدر شخص (پتلی ٹانگوں والا) کعبے کو گرا رہا ہوگا۔
- مدینہ بے آباد ہو جائے گا اور اس میں انسانی آبادی ختم ہو جائے گی اور جنگلی جانور رہ رہے ہوں گے۔ ● ایک روایت ہے کہ دو لشکر عرب پر حملے کے لئے آ رہے ہوں گے کہ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ ● اشراط الساعۃ والی حدیث (مسند احمد، عن حذیفہؓ) میں ہے کہ عدن کے علاقے سے ایک آگ نکلے گی جو جان بچا کر بھاگنے والوں کے پیچھے پیچھے جائے گی جہاں وہ رکیں گے وہ بھی رُک جائے گی۔ یہ صورتِ حال بھی کسی ہائیڈروجن بم یا پانی کو پھاڑ کر ہائیڈروجن آکسیجن میں علیحدہ کرکے توانائی کے طور پر استعمال کرنے کی مثال ہے۔
- ایک حدیث میں ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک ایسی ہولناک جنگ ہوگی کہ ایک پرندہ کئی دن اُڑتا رہے گا اور اسے سوائے لاشوں کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ (متفرق احادیث سے ماخوذ)

اُوپر درج احادیث مبارکہ کے مندرجات صرف روانی سے پڑھ لیں تو اسرائیل سعودی عرب آویزش کا انجام اور نقشہ یقیناً آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا اس کی عملی شکل کیا ہوگی اور ٹھوس زمینی حقائق کیا رُخ کریں گے؟ یہ باتیں غور طلب ہیں اور مسلمانوں کے لئے فرمانِ رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں ایمان کی سلامتی زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ضرورت کا زوردار احساس دلاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان حالات میں دین کے عین مطابق اور مسلم اُمت کی بہتری اور بھائی چارے کے جذبات کے ساتھ صحیح رخ پر سوچنے اور آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان سطور میں کسی ملک اور شخصیت کا نام کسی اہانت یا سبکی کی نیت سے نہیں دیا گیا بلکہ کسی ناگزیر حقیقت کو

اُجاگر کرنے کے لئے ضروری خیال کرتے ہوئے دیا گیا ہے کسی کی بھی دل آزاری مقصود نہیں ہے صرف آنے والے واقعات کے بارے میں ایک مسلم وژن اور بندۂ مومن کی فراست کا اُمت مسلمہ کے حق میں سوچنے کے عمل کو فروغ دینے کے لئے کیا گیا ہے۔اُمید ہے کہ قارئین اس پس منظر میں ہی اس پر غور فرمائیں گے۔

حقیقتِ صیام وقیامِ رمضان

مقرر: انجینئر مختار فاروقی

انجینئر مختار فاروقی صاحب نے کیڈٹ کالج جھنگ میں 14 جولائی 2013ء کو ماہانہ درسِ قرآن کے موقع پر یہ خطاب فرمایا تھا، جسے قارئین حکمت بالغہ کے استفادہ کے لیے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (مرتب: انجینئر عبداللہ اسماعیل)

دوسرے پارے کے ساتویں رکوع کی آیات میں اللہ پاک نے روزے کے احکام اور حکمت بیان فرمائی ہے۔ ہمارے دین میں پانچ ارکانِ اسلام ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

بُنِیَ الاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، شَھَادَۃِ أَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰہِ، وَاِقَامِ الصَّلَاۃِ، وَاِیتَاءِ الزَّکَاۃِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ البَیْتِ (ترمذی عن ابن عمر)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے پہلی بات کلمہ شہادت ہے اور اس کے بعد چار عبادات ہیں جو ارکانِ اسلام ہیں: نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔

قرآن پاک میں چاروں عبادات کا ذکر ہے لیکن ایک بڑی عجیب تقسیم ہے۔ نماز اور زکوٰۃ یہ دو عبادات ایسی ہیں جن کا قرآن پاک میں تقریباً سو مرتبہ حکم ہے اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ ۔ جبکہ روزہ اور حج دو عبادات ایسی ہیں جن کا صرف ایک ایک مرتبہ حکم آیا ہے۔ روزے کا حکم ان آیات میں ہے اور حج کا حکم چوتھے پارے کے شروع میں ہے لیکن اللہ پاک نے اس فرق

کو COMPENSATE کیا ہے یعنی نماز کا سو مرتبہ ذکر ہے اور روزے کا ایک مرتبہ ذکر ہے لیکن اللہ نے روزے کو کسی اور پہلو سے کو بڑھا دیا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر سو مرتبہ ہے لیکن قرآن پاک میں نماز اور زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نہیں ہیں حتیٰ کہ پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن پانچ کا لفظ بھی قرآن پاک میں نہیں ہے صرف اوقات کے اشارے ہیں۔ زکوٰۃ کی تفاصیل تو اتنی بھی نہیں ہیں جتنی نماز کی ہیں۔ ہم اہل سنّت کہلاتے ہیں تو اہل سنت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی وہ باتیں جو واضح نہیں ہیں ان کی وضاحت کرنا محمد ﷺ کے فرائض منصبی کا حصہ تھا۔ یہ نہیں کہ کوئی پوچھے تو بتانا ہے بلکہ ازخود واضح کرنا رسول پاک ﷺ کی ذمے داری تھی ان کا فرض منصبی تھا۔ حضور ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ صلوا کما رایتمونی اصلی لوگوں تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اسی طرح زکوٰۃ کے احکام بھی حدیث میں ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کے تفصیلی احکام معلوم کرنے کے لئے قرآن اور احادیث پر نظر ہونی چاہئے پھر بھی بہت ساری باتیں علماء سے بھی پوچھنی پڑتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ پاک نے ذکر تو روزے کا ایک ہی مرتبہ کیا ہے لیکن پورا ایک رکوع ہے جو روزے سے متعلق ہے روزے کی ساری تفصیلات مثلاً روزے کے احکام، روزے کی حکمت، روزے کے مسائل اور اس کے متعلقہ باتیں اللہ پاک نے قرآن پاک میں ہی بیان فرما دی ہیں۔ لہٰذا نماز کے مکمل احکام معلوم کرنے ہوں تو آدمی کو خاصی محنت کرنی پڑے گی جبکہ روزے کے احکام معلوم کرنے ہوں تو اس ایک رکوع کو یاد کرلیں اس کا ترجمہ پڑھیں تفسیر پڑھیں بہت ساری احادیث کا ذکر اس میں ضمناً آجائے گا پھر مزید تھوڑا سا مطالعہ کریں تو روزے سے متعلق بہت کچھ معلوم ہو جائے گا جو PERSONAL قسم کے سوالات ہوتے ہیں تو وہ بعد میں آدمی ویسے معلوم کرلیتا ہے۔ اسی طرح حج کا حکم ایک مرتبہ ہے لیکن اسی سورت کے ڈیڑھ رکوع میں پوری تفاصیل موجود ہیں اور حج زندگی میں اکثر و بیشتر ایک ہی دفعہ ہوتا ہے مزید تفصیلات جو حج پر جاتا ہے خود معلوم کرلیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک اور طریقے پر بھی COMPENSATE فرمایا ہے نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ زیادہ ہے عام لوگ بھی جانتے ہیں اور قرآن مجید میں روزہ اور حج کا ذکر ایک ایک مرتبہ آیا ہے تو اللہ نے روزے کے ساتھ عید لگا دی جیسے ہی روزے کی عبادت ختم ہوتی ہے ایک عید آجاتی ہے جو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا تہوار ہے۔ بڑے تو روزہ رکھ کے اس کو

یاد کرتے ہیں اور چھوٹے عید کے طور پر یاد رکھتے ہیں کہ عید آ گئی ہر مسلمان بچے کے ذہن میں بھی یہ ہوتا ہے کہ روزے آئیں گے تو پھر عید بھی آئے گی۔ تو اللہ نے روزے کی عبادت کے ساتھ ایک عید' عید الفطر لگا دی ہے اور حج کی عبادت کے ساتھ بھی ایک عید' عید الاضحیٰ لگا دی ہے حج صرف مکے میں ہی ہوتا ہے جو وہاں جاتے ہیں وہ حج کرتے ہیں۔ اللہ نے ایک تو قربانی والا پہلو عام کر دیا کہ ساری دنیا میں جو بھی مسلمان صاحب حیثیت ہیں وہ قربانی کرتے ہیں تو اس کا تذکرہ ہوتا ہے اس کے مسائل معلوم کیے جاتے ہیں ہر آدمی سوچتا ہے کہ مجھ پر قربانی واجب ہے کہ نہیں ہے، کون سا جانور صحیح ہے، وغیرہ۔ گوشت کھانا تو بڑوں چھوٹوں سب کے لئے ہی بڑا اہم دن ہو جاتا ہے اور قربانی تو ہے بھی تین دن۔ اسی لئے تمام دنیا کے مسلمانوں میں عورتوں، مردوں، بچے، بوڑھے، جوان، سب میں اس کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔ حج تو لوگ وہاں جا کر کر رہے ہوتے ہیں اب ٹی وی پر LIVE حج دیکھ سکتے ہیں ورنہ آج سے چالیس سال پہلے کہاں ممکن تھا؟ حج کب ہوا یہ بھی پتا نہیں ہوتا تھا، جو لوگ وہاں گئے ان کی کوئی خبر ہی نہیں ہوتی تھی قسمت ہے تو واپس آ جاتے تھے ورنہ نہیں۔ اللہ پاک نے حج اور روزے کی عبادت کا ذکر تو ایک مرتبہ کیا ہے لیکن کئی طرح سے ان کی اہمیت کو ان کے برابر کر دیا ہے بلکہ ایک لحاظ سے زیادہ اُجاگر کر دیا ہے کہ دو عیدیں ہیں جن میں سے ایک روزے کے ساتھ اور ایک حج کی عبادت کے ساتھ لگا دی ہے۔

یہ ساری تفصیل میں نے اس لئے بیان کی کہ یہ ایک رکوع جس کی چھ آیتیں ہیں اگر ہم ان کو یاد کر لیں اگر پہلے نہیں پڑھا تو اب پڑھ لیں بلکہ اس دوسرے پارے کے ساتویں رکوع کو یاد کر لینا چاہئے اس کا ترجمہ پڑھنا چاہئے تشریح پڑھنی چاہئے تاکہ ہمیں اس کی اہمیت کا احساس ہو جائے اور روزے کی عبادت سے جو پورے مہینے کی ہے اس کے اہم معاملات سارے کے سارے ہمارے سامنے آ جائیں اور ہم ان پر عمل کر کے اس سے پورا استفادہ کر سکیں۔

ترجمہ سے پہلے جو ایک اور بات سامنے رکھنی چاہئے کہ قرآن پاک میں روزوں سے متعلق جو بات آئی ہے اس میں اور ہمارے ذہنوں میں جو بات ہے اس میں فرق ہے ہمارے ذہنوں میں ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بس روزوں کا مہینہ ہے۔ جبکہ قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ اس مہینے کی دو عبادتیں ہیں اور احادیث میں بھی اسی طرح ہے کہ اس مہینے کی دو عبادتیں ہیں ایک

دن کا روزہ رکھنا اور دوسری رات کو قرآن کے ساتھ وقت گزارنا/جاگنا۔ دونوں کا حق ادا ہوگا تو اس مہینے کے فضائل سے آدمی فائدہ حاصل کر سکے گا اگر ایک ہی کرے گا تو صاف ظاہر ہے آدھی فضیلت تو حاصل ہی نہیں ہوئی۔ لہٰذا ایک دن کی عبادت ہے، ایک رات کی۔ احادیث مبارکہ میں اسی طرح بات آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه ''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے سارے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے''۔ ومن قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه ''اور جس کسی نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا (تراویح پڑھی قرآن سنا سمجھا) اور اس پر عمل کرنے کی نیت رکھی اس کے بھی سارے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔''

یہ دو متوازی عبادتیں ہیں، دونوں برابر کی اہمیت کی حامل عبادات ہیں اور دونوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے اور دونوں کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے ہمارے ذہنوں میں چونکہ ایک ہی عبادت ہے دوسرے کا خانہ ہی نہیں ہے لہٰذا اکثر لوگ تراویح کو جانتے ہی نہیں کہ تراویح کیا چیز ہے اور جانتے بھی ہیں تو اہمیت سے آگاہ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے دن کے روزے کے مقابلے میں، رات کا جاگنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ رمضان المبارک کا یہ جو بابرکت مہینہ ہے اس کا آغاز روزے سے نہیں ہوتا تراویح سے ہوتا ہے چاند نظر آتا ہے تو پہلے تراویح آتی ہیں روزہ تو اگلے دن آتا ہے۔ پہلے تراویح پڑھی جاتی ہیں رات کو جاگا جاتا ہے تو گویا کہ اس کی اہمیت دو چند ہے یہ زیادہ اہم ہے اور زیادہ افضلیت والی چیز ہے۔ روزہ بھی اہم ہے روزہ کی اہمیت کم نہیں ہے لیکن یہ کہ روزے کے ساتھ ساتھ رات کا جاگنا بھی اہم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تراویح پڑھتے تھے رات کو جاگتے تھے خلافت راشدہ میں باقاعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا نظام بنا دیا تھا تاکہ کوئی آدمی بھی اس سے محروم نہ رہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اور ہم میں فرق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز میں قرآن سنتے تھے یا تراویح میں جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو ان کی زبان عربی تھی قرآن بھی عربی میں ہے اور انہوں نے سنا اور ساری بات سمجھ آ گئی کہ اللہ پاک کہتے کیا ہیں۔ جبکہ ہمارا المیہ یہ ہے کہ اگر ہم سارا قرآن تراویح میں سن بھی لیں اہتمام

کر لیں کہ امام کے پیچھے کھڑے ہو کر سننا ہے تا کہ کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے آواز بھی صحیح آتی رہے تب بھی جب قرآن پاک ختم ہوتا ہے تو آدمی اپنے آپ سے سوال کرے کہ میں نے اس مہینے جو قرآن سنا ہے کیا سنا ہے؟ تو جواب ہوگا کہ پتا ہی نہیں کہ کیا ہوا۔ نہ تراویح پڑھانے والے کو پتا ہے کہ کیا پڑھا جا رہا ہے نہ سننے والوں کو پتا ہے کہ کیا سنا جا رہا ہے صرف ایک خانہ پری ہے جو ہو رہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تذکیر نماز میں قرآن سننے سے حاصل کر لیتے تھے وہ آج صرف تراویح پڑھنے سے ہمیں حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں اب تو ہماری جو خانقاہیں ہیں وہ بھی صوفیا کی دنیا داری ہی بن گئی ہے لیکن جو پہلے خانقاہیں ہوتی تھیں جو انڈیا میں رہ گئیں (ہمارا زیادہ تہذیب و تمدن وہیں تھا ہزار سال حکومت رہی تو دہلی کے آس پاس ہی مرکز رہا اور وہیں زیادہ علم دین کا پھیلا ہے) وہاں ہی مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جو جگہیں تھیں جہاں یہ نماز پڑھتے تھے وہ ساری ساری رات تراویح میں گزارتے تھے چار تراویح پڑھیں اور وقفہ ہو جاتا تھا جس میں کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی نماز پڑھ رہا ہے کوئی چہل قدمی کر رہا ہے کوئی کھا، پی رہا ہے، کوئی ذکر اذکار بھی کر رہا ہے وغیرہ پھر دوبارہ جمع ہو گئے پھر چار تراویح پڑھ لی پھر گھنٹے کا وقفہ پھر چار تراویح پھر گھنٹے کا وقفہ، اتنے میں سحری کر دیتے تھے۔ یہ تراویح ایسی فٹا فٹ نہیں ہوتی تھی کہ سلام پھیرا اور پھر فوراً اگلی شروع کر دی۔ یہ جو انداز ہے یہ تو صرف ہمارے ہاں پیدا ہوا ہے۔ ترویحہ کا معنی بھی یہ ہے کہ روح کو سیراب کرنا قرآن سنا جائے اور روح کو سیراب کیا جائے۔ اس کا حق ادا کرنے کے لئے ہمیں راتوں کو قرآن کے ساتھ جاگنا چاہئے۔

ایک حدیث پاک میں بھی اسی طرح کا مفہوم ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیامه "روزہ اور قرآن قیامت کے دن انسان کے لئے سفارش کریں گے"

اب سوچیں قیامت کا دن ہوگا، ہر آدمی سفارش و شفاعت کا متلاشی ہے کہ قیامت کے دن کے لیے مجھے کوئی سفارشی مل جائے۔ فرمایا دو چیزیں تمہاری سفارش کرنے کو تیار ہیں روزہ اور قرآن۔ روزے کی سفارش یہ ہوگی کہ

یقول الصیام انی منعته الطعام و الشهوات بالنهار فشفعنی فیه

''اے اللہ دن بھر یہ آدمی روزے کی وجہ سے کھانے پینے اور اپنی خواہشات سے رکا رہا تو اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما''۔ روزہ ہے گھر میں اکیلے ہیں کھانے پینے کی چیزیں موجود ہیں گرمی ہے دیکھ بھی کوئی نہیں رہا پھر بھی نہیں کھانا پینا کیونکہ اللہ دیکھ رہا ہے کہ روزہ ہے۔ روزے کی سفارش ہو جائے گی۔ اور قرآن کی سفارش یہ ہوگی

يقول القرآن انی منعته النوم بالليل فشفعنی فيه

''قرآن یہ سفارش کرے گا کہ اللہ رمضان کی راتوں میں قرآن سننے سمجھنے اور قرآن کے ساتھ جاگنے کی وجہ سے اس آدمی کی نیند پوری نہیں ہوتی تھی لہٰذا اس کے لئے میری سفارش قبول فرما'' جس نے بھی اس طرح کا حق ادا کیا ہوگا اس کے لیے سفارش قبول ہو جائے گی۔

یہ جو ہم ایک گھنٹے والی تراویح پڑھتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں عام طور پر عشاء کے ایک گھنٹے بعد تراویح ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد آدھی رات تک تو لوگ عام معمول میں سوتے ہیں اس تراویح کا ہماری نیند کے پروگرام پر کیا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا ہماری تراویح، حقیقی تراویح نہیں ہیں جو مزدور پیشہ ہیں ان کا تو الگ معاملہ ہے لیکن جو آسودہ حال طبقہ ہے وہ تو رات کو 3/2 بجے سوتے ہیں اور صبح فجر بمشکل جسے نصیب ہے وہ پڑھتا ہے اور باقی پھر صبح 10 بجے اُٹھتے ہیں ان کی رات کی نیند پر کیا فرق پڑتا ہے انہیں تو جاگنا چاہئے۔ اللہ پاک نے دن کے روزے کا وقت تو امیر غریب سب کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ عورت ہو، مرد ہو، جوان ہو، بوڑھا ہو، غریب ہو، امیر ہو، مزدور پیشہ ہو، سیٹھ ہو، زمیندار ہو، ملک کا سربراہ ہو، ہر کسی کو سحری سے لے کر افطاری تک روزہ رکھنا ہے۔ اب ان کے روزے میں درجات کیسے بنتے ہیں؟ کس کا روزہ اچھا ہے؟ کس کا روزہ کتنے درجے والا ہے؟ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نے روزہ رکھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کی۔ جو چیزیں عام دنوں میں منع ہیں وہ تو روزے میں منع ہی ہیں کم تولنا، ملاوٹ کرنا، دھوکا دینا، چکر دینا، رشوت لینا، سود، یہ ساری باتیں تو منع ہی منع ہیں اور اس کے علاوہ عام دنوں میں جو حلال چیزیں ہیں ان کا کھانا پینا بھی منع ہے تو جس نے یہ تقاضے پورے کر دیے اس کا روزہ ہو جائے گا جس نے نہیں کیئے اس کا نہیں ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: كم من صائم ليس له من الصيام الا الجوع ''کتنے بدنصیب روزے دار ایسے ہو سکتے ہیں کہ شام کو صرف ان کا فاقہ لکھا جاتا ہے''

کہ بیچارے نے کھایا پیا کچھ نہیں باقی سارے غلط کام کرتا رہا ہے کسی سے رکا ہی نہیں کھایا پیا کچھ نہیں تو بس فاقہ لکھا جائے گا باقی ثواب نہیں ہوگا۔ایک دکاندار ہے ٹی وی چل رہا ہوتا ہے پروگرام آرہے ہوتے ہیں گاہک سے گفتگو بھی ہوتی ہے اُدھر بھی دیکھ رہے ہیں باتیں بھی چل رہی ہیں جھوٹ کے اور چکر بازی کے سودے بھی سارے ہو رہے ہیں پھر اس روزے کا کیا فائدہ؟ فرمایا روزہ تو تب روزہ ہے جب اس کا حق ادا کیا جائے۔الصوم جنة روزہ تو ڈھال تب ہوتا ہے کہ جب آدمی روزہ رکھ کے کوئی غلط کام نہ کرے۔اسی طرح رات کا جاگنا ہے۔جاگتے تو بے شمار لوگ ہیں عام دنوں میں بھی لوگ رات ایک بجے تک جاگتے رہتے ہیں رمضان میں اور زیادہ جاگتے رہتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ جاگنا اور طرح کا جاگنا ہے قرآن کے ساتھ جاگنا یہ ہوگا کہ آدمی تراویح پڑھے اور ہم چونکہ قرآن سمجھتے نہیں ہیں لہٰذا اس قرآن کا ترجمہ سنیں اس کا کہیں نہ کہیں اہتمام کریں اس کو سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ پتا چلے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں، کیا سنا جا رہا ہے اور پھر اس پر عمل کا ارادہ ہو اور آدمی اس پر عمل کر سکے۔

الغرض اس مہینے کی دو عبادات ہیں۔کچھ لوگوں کو تو معلوم ہی نہیں لیکن کچھ کو اگر معلوم بھی ہے تو اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں کہ یہ روزوں کا مہینہ ہے روزہ رکھو اور جان چھڑاؤ۔بیس تراویح والوں کے پیچھے تراویح پڑھنے جاتے ہیں اور آٹھ تراویح پڑھ کر کھسک آتے ہیں۔اگر آٹھ والوں کے پیچھے پڑھیں تو کم ازکم پورا قرآن (سوا پارہ) تو سنیں گے۔مگر وہ بیس والوں کے پیچھے آٹھ پڑھ کر گھر آجاتے ہیں کہ تراویح پڑھ لی ہیں یہ اپنے آپ کو دھوکا دینے والی بات ہے۔جس طرح روزہ رکھ کر ہم میں سے بہت سارے لوگ اس کی سفارش کے مستحق بن سکتے ہیں اسی طرح ہم میں سے کتنے لوگ ہوں گے جو سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید بھی قیامت کے دن ہماری سفارش کرے گا کہ ہم ایسی راتیں گزار رہے ہیں کہ قرآن کی وجہ سے ہمارا سارا نیند کا پروگرام DISTURB ہو رہا ہے۔لوگ نیٹ پر بیٹھے رہیں گے، گپ شپ لگاتے رہیں گے، خبریں سنتے رہیں گے لیکن قرآن کے ساتھ جاگنا شاید نصیب میں نہیں ہے۔قرآن کے ساتھ جاگنے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آدمی گھر سے نکل کر ہی کہیں جائے بلکہ گھر میں بیٹھ کر پڑھتے رہیں۔سی ڈیز، آڈیوز، ویڈیوز موجود ہیں گھر والوں کو اکٹھا کریں اور قرآن کا ترجمہ سنیں اس مہینے اگر ترجمہ مکمل کرلیں تو زندگی میں

انقلاب آجائے گا لیکن لوگ یہ بھی کرنے کو تیار نہیں۔ بات ساری اہمیت کی ہے۔ کاش ہمیں یہ سمجھ آجائے کہ یہ قرآن مجید واقعتاً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا پڑھنا پڑھانا ہماری ضرورت ہے۔ اس مہینے کی جو دو عبادتیں ہیں ایک روزہ اور ایک قرآن سننا، قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنا، جاگنا۔ اللہ نے روزے ہی ایسے مہینے کے فرض کئے ہیں جو نزول قرآن کا مہینہ ہے تو روزے کی برکت اور نزول قرآن کی برکت دونوں جمع ہو گئیں۔ عبادات دو ہیں کاش کہ یہ دونوں باتیں ہمارے ذہن نشین ہو جائیں تو پھر اُمید کی جاسکتی ہے کہ ہم اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالیں گے جب پروگرام بنائیں گے یا ٹائم ٹیبل بنائیں گے تو اس میں رات کو قرآن کے ساتھ جاگنے کا حصہ بھی رکھیں گے۔ دوستوں کے ساتھ چہل قدمی کا وقت نکالتے ہیں تو تھوڑا سا قرآن کے ساتھ جاگنے کا بھی وقت نکالنا چاہئے کہ یہ بھی ضروری ہے اور یہ آخرت میں ہمارے لئے بہت فائدے کا سامان ہوگا ان شاء اللہ۔

قرآن پاک کی ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے جا رہے ہیں''

صوم کا معنی روزہ، صوم کی جمع صیام ہے یعنی روزے اور عربی میں صیام مصدر بھی ہے یعنی روزہ رکھنا۔ اس لیے کسی نے ترجمہ کیا ہے 'تم پر روزے فرض کیے جا رہے ہیں' اور کسی نے ترجمہ کیا ہے 'تم پر روزہ رکھنا فرض کیا جا رہا ہے'۔

اس میں شک نہیں کہ روزہ ایک مشکل عبادت ہے۔ کوئی آدمی یہ کہے کہ روزہ رکھ کر مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تو یہ وہ حقیقت نہیں بیان کر رہا۔ دوپہر کے بعد پہلوان قسم کے طاقتور صحت مند آدمی کی بھی کارکردگی میں فرق آجاتا ہے۔ لہٰذا یہ مشکل عبادت ہے۔ فرمایا کما کتب علی الذین من قبلکم ''یہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھا'' لہٰذا تمہیں بھی یہ مشکل کام کرنا ہوگا۔ دنیا بھر میں جو بھی قدیم مذاہب ہیں (صاف ظاہر ہے مذاہب کا تعلق انبیاء سے ہے اور انبیاء اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے تھے) ان کی تعلیمات بگڑ گئی ہیں بت پرستی آگئی ہے، کون کیا تھا یہ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن جو بھی قدیم مذہب ہیں ان سب میں بھوکا رہنا پیاسا رہنا، کھانے پینے اور لذات دنیا سے دور رہنا اللہ کو راضی کرنے کا ایک طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ اب وہ جو اپنے نبیوں کی تعلیمات لئے پھر

رہے ہیں کہاں تک صحیح ہیں اور ان میں کتنی گڑبڑ ہو چکی ہیں، یہ الگ بات ہے۔لیکن ان کے ہاں یہ اصولی بات ہے کہ اللہ کو راضی کرنا ہے تو کھانے پینے اور دنیا داری سے اپنے آپ کو دور رکھو۔فرمایا کما کتب علی الذین من قبلکم "تم سے پہلی امتوں پر بھی روزہ فرض تھا" اس میں تسلی کا انداز ہے۔لعلکم تتقون "تا کہ تم بچ سکو" تمہارے لئے INCENTIVE ہے۔آج بھی کوئی استاد شاگردوں سے کام لیتا ہے یا بڑا چھوٹوں سے لیتا ہے ساری دنیا کی MANAGEMENT ہے ہی یہی کہ INCENTIVE BASED کام ہونے چاہئیں ہر وقت ڈنڈا پاس لے کر نہیں کھڑا ہونا چاہئے بلکہ آدمی کو احساس دلانا چاہئے کہ یہ جو کام کہا جا رہا ہے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔لہٰذا تم کام بتا کر گھر چلے جاؤ اس کے ذہن میں اگر یہ بات بیٹھ گئی کہ اس میں میرا ہی فائدہ ہے تو وہ کام کر رہا ہو گا اس میں نگرانی کی ضرورت ہی نہیں۔تو قرآن پاک روزے کو بھی اسی طرح بتا رہا ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہو گا اور تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔روزہ رکھنے سے تقویٰ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ سات سال کا بچہ بھی جب روزہ رکھتا ہے اور بڑے بھی روزے رکھتے ہیں تو دن میں احساس کیا ہوتا ہے؟ جب روزہ رکھتے ہیں تو منہ پر کوئی ٹانکے نہیں لگا دیتے یا منہ کو سی نہیں دیتے کہ یہ بچہ شام تک کھانا کھا ہی نہیں سکتا۔نہیں ایسا نہیں ہوتا۔منہ تو کھلا ہے کھا بھی سکتا ہے پی بھی سکتا ہے گھر میں اکیلا بھی ہے فریج موجود ہے شربت موجود ہے باہر سے بھاگ دوڑ کر کے آیا ہے پیاس بھی لگی ہوئی ہے لیکن کوئی کھلانا بھی چاہئے تو بچے بھی یہی کہتے ہیں کہ میں نہیں کھاتا، میرا روزہ ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے میں روزہ نہیں توڑ سکتا۔بس یہ جو احساس ہے کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے مجھے اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی، چاہے کتنی پیاس ہو۔یہ تقویٰ ہے جو تمہارے اندر روزے رکھنے سے پیدا ہو گا۔تو اگر تم واقعی قرآن پاک پر عمل کر واور روزہ رکھو اور رمضان کے بعد جب تم کاروبار یا نوکری پر جاؤ اور نیت کر لو کہ دین پر چلنا ہے پھر کوئی رشوت کا موقع آئے، کوئی حرام کا موقع آئے یا اس قسم کو کوئی اور موقع آئے تو تم کہو کہ میں نے تو توبہ کر لی ہے اب یہ کام نہیں ہو سکتا اللہ دیکھ رہا ہے بس اسی کا نام تقویٰ ہے۔اگر بچوں میں یہ احساس پیدا ہو سکتا ہے تو بڑوں میں یہ احساس کیوں پیدا نہیں ہوتا۔مہینے کے بعد جب لوگ کاروبار یا نوکری پر جاتے ہیں تو عید کے دوسرے دن وہ سارے گھپلے پھر کیوں شروع ہو جاتے ہیں۔اگر آپ نے روزہ رکھا ہے اور تقوی کا احساس پیدا ہوا ہے جو کہ ایک

دن کے روزے سے بھی پیدا ہوتا ہے پھر آپ مہینے کے روزے کے بعد تو اپنے کاروبار یا نوکری پر جا کر یہ احساس پیدا ہونا چاہئے اور یہ احساس آپ کے فائدے کی چیز ہے۔

ایّامًا معدودات ''یہ گنتی کے دن ہیں'' سال میں ایک مہینہ کے روزے اللہ پاک نے فرض کئے ہیں۔ سال میں گیارہ مہینے آپ اپنی مرضی کرتے ہیں دو مرتبہ کھالیں چار مرتبہ کھالیں نہ کھائیں آپ کی مرضی ہے 10 بجے ناشتہ کریں تب بھی آپ کی مرضی ہے۔ لیکن اس مہینے میں آپ اللہ کے کہنے کے مطابق کھانے پینے کا پروگرام بنالیں کہ سحری میں کھانا ہے اور پھر افطاری میں کھانا ہے۔ اس میں بھی اللہ پاک نے رخصتیں دی ہیں۔ شروع میں 2 ہجری میں جب روزے فرض ہوئے تین رخصتیں تھیں، ان میں ایک رخصت بعد میں واپس لے لی گئی اور دو رخصتیں جوں کی توں اب بھی قائم ہیں۔ فرمایا: فمن کان مریضاً منکم مریضا او علی سفر '' جو کوئی تم میں بیمار ہو یا مسافر ہو (وہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے)'' فعدۃ من ایام اخر '' وہ بعد کے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرلے'' مسافر یا مریض کے دو روزے رہ جائیں یا چار، دس رہ جائیں یا پورے روزے رہ جائیں وہ بعد میں تعداد پوری کرلے اللہ نے یہ رخصت دی ہے۔ ایک تیسری رخصت شروع میں ایک سال کے لئے تھی کہ روزہ ایک مشکل عبادت ہے اس کا بہر حال لوگوں کو عادی بنانا ہے اس لئے رخصت دی تھی۔ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین '' کہ کوئی آدمی (بیمار بھی نہیں ہے، مسافر بھی نہیں ہے، گھر پر ہے، صحت مند ہے) روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے (مگر وہ روزہ نہیں رکھنا چاہتا تو اللہ نے اس کی بھی ایک سال گنجائش دی تھی کہ وہ ایک روزے کے بدلے میں) ایک مسکین کو کھانا کھلائے''۔ فمن تطوع خیرًا فھو خیر لہ ''جس نے (ایک روزہ چھوڑا اور) زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو وہ اس کے لئے بہتر ہے''۔ و ان تصوموا خیر لکم '' اور تم روزے ہی رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے''۔ یعنی اشارتاً بتادیا کہ یہ رخصت ختم ہو جانے والی ہے اپنے آپ کو عادی بناؤ۔ ان کنتم تعلمون ''اگر تم بات کو سمجھو''۔

شھر رمضان الذین انزل فیہ القرآن ''رمضان المبارک کا مہینہ وہ (بابرکت مہینہ) ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا''۔ اللہ پاک نے سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ چنا۔ ہم کو کوئی ایسا کام کرنا ہو تو پرچیاں ڈالتے ہیں یا ٹاس کرتے ہیں۔ اللہ نے ایسے نہیں کیا، یہ اللہ کی شان کے

خلاف ہے۔اللہ نے ایک ایسا مہینہ چنا جو واقعتاً اس کا استحقاق رکھتا تھا کہ اسے چنا جائے۔

لہٰذا فرمایا رمضان المبارک کا مہینہ وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔اور رمضان 2 ہجری میں روزے فرض ہوئے،قرآن تو ہجرت سے 13 سال پہلے سے نازل ہورہا تھا اور 15 سال سے یہ بابرکت مہینہ آرہا تھا اور گزر جاتا تھا احساس نہیں تھا۔اس مہینے کے روزے فرض کردیے گئے تو دو برکتیں اس میں جمع ہوگئیں: ایک نزول قرآن کی برکت اور ایک روزے کی برکت۔نزولِ قرآن کی برکت اس مہینے میں ہدایت حاصل کرنا ہے۔اس مہینے میں انسان کے اندر نیکی اور بھلائی کی طرف ایک رجحان پیدا ہوجاتا ہے۔رمضان شریف شروع ہوتا ہے اعلان ہوتا ہے کہ رمضان کا چاند نظر آگیا ہے تو عشاء میں مسجدیں بھر جاتی ہیں۔یہ کیا چیز انہیں مسجد میں کھینچ لائی ہے وہی مسلمان جو نماز پڑھنے ہی نہیں آتے تراویح پڑھنے آگئے۔سوائے اس کے اور کوئی چیز نہیں کہ اس مہینے میں ایک عمومی ماحول ہوتا ہے کہ آدمی نیکی کی طرف کھچا چلا آتا ہے اور شیطان جو اس کا راستہ روکتے ہیں بند کردیے جاتے ہیں تو آدمی مسجد کی طرف آجاتا ہے۔بعد میں آدمی خود پیچھے چلا جاتا ہے ورنہ ایک دفعہ تو اس مہینہ کی برکت سے آدمی مسجد میں پہنچ ہی جاتا ہے۔یہ ہے اس مہینے میں نزولِ قرآن کی برکت۔اس میں قرآن پاک سے ہدایت حاصل کرنے کا ایک رجحان ہوتا ہے۔آپ رات کو قرآن مجید سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔یہ قرآن پاک کیا چیز ہے؟ ہم میں سے کچھ خوش نصیب لوگ ہیں جو قرآن سمجھ کر روزانہ پڑھتے ہیں لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو ناظرہ بھی باقاعدگی سے تلاوت نہیں کرتے۔فرمایا یہ قرآن سمجھنے کی بات ہے۔اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر سب سے بڑی نعمت یہ قرآن پاک ہے۔ھدی للناس ''یہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت بن کر آیا ہے'' وبینٰت من الھدی والفرقان ''اور ہدایت کی بھی آسان باتیں ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب ہے''۔قرآن مجید واضح بتاتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے اور یہ غلط۔ایسا نہیں ہے کہ آدمی سارے قرآن کا ترجمہ سنے اور پھر کہے کہ پتا نہیں چلا کہ سود حلال ہے یا حرام،رشوت لینی چاہیے یا نہیں لینی چاہیے۔کوئی بھی توجہ سے قرآن پاک کا ترجمہ سنے تو بات واضح ہوجاتی ہے۔اور یہ حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب ہے۔یہ تین شانیں اللہ نے قرآن پاک کی بیان کردی ہیں۔فمن شھد منکم الشھر

فلیصمہ ''جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پالے، وہ اس کے روزے رکھے''۔ پالینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی عاقل ہو، بالغ ہو، مسلمان ہو، گھر پر ہو اور صحت مند ہو یعنی یہ پانچ باتیں ہوں اور اس مہینے کا چاند نظر آ جائے تو اس پورے مہینے کے روزے فرض ہیں۔ اللہ نے اس مہینے کے روزے فرض کر کے دو برکتیں جمع کر دی ہیں ایک دن کا روزہ رکھیں گے تو برکت حاصل ہوگی دوسرے رات کو قرآن کے ساتھ جاگیں گے تو برکت حاصل ہوگی۔

اس بات کو بھی سمجھ لیں کہ یہاں کہا گیا ہے کہ قرآن پاک ھدی للناس ہے یعنی تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت بن کر آیا ہے اور جو لوگ قرآن پڑھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ قرآن پاک کے بالکل آغاز میں یہ تذکرہ ہے الم ذٰلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين، وہاں یہ کہا گیا ہے کہ یہ متقین کے لئے ہدایت کی کتاب ہے۔ تو اب ایک بظاہر تعارض ہے تو یہاں لوگوں کے لئے ہدایت کہا گیا ہے وہاں متقین کے لئے ہدایت کہا گیا ہے۔ یہ کوئی متضاد بات نہیں ہے سوچ کا فرق ہے قرآن پاک میں تو یہ صلاحیت ہے کہ تمام بنی نوع انسان چاہے وہ امریکن ہوں، جاپانی ہوں، آسٹریلین ہوں، وہ انڈین ہوں، پاکستانی ہوں، ایرانی ہوں، سعودی ہوں، افریقی ہوں، کالے ہوں، گورے ہوں، عورتیں ہوں، مرد ہوں، سید ہوں، پٹھان ہوں، جو کوئی بھی ہو اگر قرآن نیت سے پڑھے تو اسے ہدایت مل جائے گی، قرآن تو تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ پڑھنے والے انسان کو ہدایت مل جائے گی قرآن میں یہ تاثیر ہے۔ لیکن قرآن سے فائدہ کون حاصل کرتا ہے۔ قرآن سے واقعتاً وہ ہدایت لیتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی ڈاکٹر یا حکیم سے دوائی لیتے ہیں تو اس کے ساتھ وہ ایک پرہیز بھی بتاتے ہیں یہ دوائی آپ نے استعمال کرنی ہے اس کے ساتھ ان ان چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، تو اگر کوئی آدمی دوائی استعمال کرے لیکن پرہیز نہ کرے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن میں بھی ہدایت ہے۔ دنیا میں کہیں کا رہنے والا انسان شوق اور جذبے کے ساتھ قرآن پڑھے گا کہ قرآن سے مجھے ہدایت درکار ہے اسے ہدایت مل جائے گی بشرطیکہ قرآن کا بتایا ہوا پرہیز کرے۔ تقویٰ کے معنی کیا ہیں؟ ''پرہیز گاری''۔ ہم متقی کس کو کہتے ہیں؟ ''پرہیز گار کو''۔ قرآن تو شفا بن کر آیا ہے۔ ایک طرف روحانی بیماریاں ہیں دوسری طرف جسمانی بیماریاں ہیں۔ جسمانی بیماریوں کا علاج

ڈاکٹروں کے پاس ہے۔ روحانی بیماریاں کے لئے پیغمبر معالج بن کر آئے ان کی تعلیمات میں ہماری روحانی بیماریوں کی شفا ہے جس طرح ہماری جسمانی بیماریوں کا پرہیز ہوتا ہے اس طرح روحانی بیماریوں کا بھی ایک پرہیز ہے قرآن سے ہدایت مل سکتی ہے بشرطیکہ جو قرآن نے پرہیز بتایا ہے وہ کرنا ہوگا۔ انسان کے اندر IN-BUILT موجود ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے، فراڈ نہیں کرنا چاہئے، بے ایمانی نہیں کرنی چاہئے، کسی کا حق نہیں مارنا چاہئے بہت ساری باتیں ہیں۔ اگر تم قرآن سے ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہو تو جھوٹ سے پرہیز کرو، ملاوٹ، دھوکا اس سے پرہیز کرنا ہوگا وعدہ خلافی نہیں کرنی کسی کا حق نہیں مارنا بس یہ پرہیز تم کرلو قرآن کی بتائی ہوئی ہدایت تمہیں میسر آجائے گی۔ قرآن ھدی للناس ہے لیکن فائدہ کون حاصل کرتا ہے ہدایت یافتہ کون بنتا ہے وہی جو قرآن کا بتایا ہوا پرہیز کرے گا تو واقعتاً اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کہ قرآن تو ھدی للناس ہے لیکن عملی طور پر یہ ھدی للمتقین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے ہیں۔ اس میں پھر دو رخصتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ”جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (ان دنوں میں روزہ نہ رکھے) وہ بعد کے دنوں میں روزوں کی تعدا کو پورا کرلے“۔ یرید اللہ بکم الیسر ”اللہ تم سے آسانی چاہتا ہے“ ولا یرید بکم العسر ”اللہ تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا“۔ تیسری رخصت جو پہلے تھی اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ علماء اور اہل علم حضرات جو دین کا علم جانتے ہیں ان کے نزدیک بعض صورتوں میں اب بھی یہ رخصت موجود ہے مثلاً ایک آدمی بوڑھاپے کی وجہ سے ضعیف ہو گیا ہے روزہ رکھنا اس پر بھی فرض ہے لیکن کوئی مسلمان ڈاکٹر جو خود روزہ رکھتا ہو، متقی پرہیز گار ہو اگر لکھ دے کہ یہ مریض روزہ رکھے گا تو اس کی جان کو خطرہ ہے تو وہ روزہ نہ رکھے اور اس ہدایت پر عمل کرے جو قرآن میں پہلے سال رخصت دی گئی تھی۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے، کسی کو روزے رکھوائے۔ اسی طرح اگر کسی کی عمر تو زیادہ نہیں ہے لیکن کوئی مستقل مرض ایسا ہے جیسے شوگر ہائی لیول کی ہوگئی ہے یا ہارٹ پرابلم ہے یا اس طرح کا کوئی مسئلہ ہے اگر وہ آدمی روزہ رکھے تو اس کی جان کو خطرہ ہے تو وہ آدمی روزہ نہ رکھے بلکہ ایک مسکین کو روزہ رکھوائے اس کا وہ بدل ہو جائے گا۔ یہ رخصت خصوصی حالات میں آج بھی

موجود ہے اگرچہ عام آدمی کو یہ سہولت میسر نہیں ہے۔

آگے فرمایا: ولتکملوا العدۃ اللہ یہ چاہتے ہیں ”کہ تم روزوں کی تعداد پوری کرو“۔ روزے رہ جائیں کوئی بات نہیں لیکن تعداد پوری ہونی چاہیئے۔ ولتکبروا اللہ علی ماھداکم اور اگر تم اس مہینے روزے رکھو گے تو تمہیں اللہ پاک ہدایت دے گا۔ ابھی ہم نے پڑھا ہے کہ لعلکم تتقون روزہ رکھنے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے احساس پیدا ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور یہ کام نہیں کرنا چاہیئے اور قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے تقویٰ بنیادی ضرورت ہے، متقی ہوگا تو قرآن سے ہدایت ملے گی تو دونوں چیزوں کو جوڑ لیں کہ دن کا روزہ رکھو گے تو تھوڑا سا تقویٰ پیدا ہوگا پھر رات کو قرآن سنو گے اور قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے تقویٰ درکار ہے۔ پھر اگلے دن روزہ رکھو گے تو تقویٰ میں مزید اضافہ ہو جائے گا پھر رات کو قرآن سنو گے تو مزید ہدایت ملے گی۔ اگر 30/29 دن یہ عمل کر لیا جائے جیسے مثال کے طور پر کوئی نٹ بولٹ کستے ہیں تو اگر ایک آدھ چوڑی کسی جائے تو کچھ نہیں ہوتا لیکن 30/29 چوڑیاں اگر کس دی جائیں تو پھر اس میں کسی ڈھیلے پن کی گنجائش نہیں رہتی۔ 30/29 دن یعنی پورا مہینہ دن کے روزے رکھو اور تقویٰ حاصل کرو اور رات کو قرآن سے ہدایت حاصل کے لیے یہ تقویٰ استعمال کرو تو ہدایت کا حصول یقینی ہے اور ہدایت آدمی کو مل جائے تو سر پر سینگ نہیں نکل آتے کہ کہیں جا رہا ہو تو سارے ہی دیکھ کر سمجھ جائیں کہ یہ ہدایت یافتہ آدمی ہے، ایسا نہیں ہوتا۔ ہدایت مل جائے تو صرف یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اللہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں اور میں کیا کر رہا ہوں۔ اللہ نے مجھ فرصت دی ہے مجھے دین کے لئے وقت لگانا چاہیئے لیکن میں سارا ہی وقت دنیا کے لئے لگا رہا ہوں قیامت کے دن سوال ہوگا تو میرے پاس تو کوئی جواب ہی نہیں ہوگا۔ ہدایت یہ ہے کہ ہر آدمی کو سوچنا چاہیئے کہ میں اللہ کے لئے، دین کے لئے، اسلام کے لئے کیا کر سکتا ہوں اور میں کر کیا رہا ہوں۔ اگر یہ احساس پیدا ہو جائے گا تو اسی احساس کا نام ہدایت ہے۔ اسی احساس سے آدمی کا سفر نیکی کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔

آگے فرمایا: ولتکبروا اللہ علی ما ھدا کم ”اگر تمہیں (اس مہینے یہ احساس پیدا ہو جائے، تو تمہیں ہدایت مل گئی ہے اور) ہدایت مل گئی تو تمہیں پھر اللہ کی کبریائی کرنی چاہیئے“۔ کبریائی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو بڑا کر دو۔ اللہ بلاشبہ بڑا ہے۔ لیکن بڑا وہ ہوتا ہے جس کا کہنا مانا

جاتا ہے۔ بائبل میں اب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ ہیں کہ آسمانوں پر اللہ بڑا ہے وہاں اللہ جو حکم دیتا ہے جوں کا توں پورا کر دیا جاتا ہے کوئی مزاحمت ہے ہی نہیں۔ زمین پر اللہ بڑا نہیں ہے۔ اس لئے کہ زمین پر تو مسلمان روزے نہیں رکھتے تو کافر کیا کہنا مانیں گے۔ اللہ کو بڑا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم طے کرلو کہ اللہ کا کہنا ماننا ہے۔ یہ اللہ کی کبریائی ہے۔ اس کی ابتدائی عملی شکل یہ ہے کہ جب روزے ختم ہوتے ہیں اور چاند نظر آجاتا ہے پھر ہم عید پڑھنے جاتے ہیں تو تکبیریں کہتے ہوئے جاتے ہیں (اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْد) یہ اس بات کی علامت ہے کہ اے اللہ آپ نے ہمیں ہدایت دی ہے، ہم زبان سے تو ابھی کہہ رہے ہیں کہ تو بڑا ہے۔ اور جب ہم فارغ ہو کر کاروبارِ دنیا میں جائیں گے تو ہم آپ کا کہنا مانیں گے۔ لیکن اکثر و بیشتر ہم عید کے دن ہی بھول جاتے ہیں اور کاروبار یا نوکری پر ویسے ہی پہنچتے ہیں جیسے وہ آخر شعبان کو تھے لیکن یہ اللہ پاک نے ہی ہمیں سکھایا ہے کہ تکبیریں پڑھو تاکہ ابھی سے آغاز ہو جائے۔

ولعلکم تشکرون ''تاکہ تم اللہ کا شکرادا کرو''۔ یہ جو عید کا دوگانہ ہم پڑھتے ہیں یہ شکر کی نماز ہوتی ہے۔ اللہ نے ہمیں روزے کی توفیق دی، تراویح کی توفیق دی، قرآن سمجھنے کی توفیق دی ہمیں ہدایت ملی اللہ تیرا بڑا شکر ہے اور اس کے بعد تبدیلی ہونی چاہئے لیکن ہمارے معاشرے میں تبدیلی نہیں ہے رمضان سے پہلے والی کیفیات اور بعد والی کیفیات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگلی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تمہیں احساس پیدا ہو کہ اللہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں اور میں کیا کر رہا ہوں تو پھر ایک سوال پیدا ہوگا کہ اللہ کہاں ہے

ع خالق میرے کہاں ہے تو مجھ کو تیری تلاش ہے

بندے اللہ کو کیسے مل سکتے ہیں اللہ کو کیسے راضی کر سکتے ہیں اللہ سے سابقہ گناہ کیسے معاف کرا سکتے ہیں۔ دنیا میں تو ایجنٹ ہوتے ہیں جیسے پراپرٹی ایجنٹس ہیں آپ نے پراپرٹی بیچنی ہے کسی نے خریدنی ہے ان کی فیس ادا کریں وہ آپ کا کام کرادیں گے۔ اللہ سے ملانے کے لئے بھی کچھ لوگ پراپرٹی ایجنٹ بنے بیٹھے ہیں جو خود نماز نہیں پڑھتے، روزے نہیں رکھتے وہ دوسروں کے روزے اور گناہ بخشوانے کے لئے پیسے لے لیتے ہیں۔ یہ تو بات غلط ہے۔ ہندوؤں میں، عیسائیوں میں،

یہودیوں میں یہی ہے، آج مسلمان عوام میں بھی یہ آ گیا ہے۔قرآن نے انسان کو آزاد کر دیا ہے۔ تم اللہ سے اپنے گناہ بخشوانا چاہتے ہو کہیں جانے کی ضرورت نہیں تم خود اللہ سے براہ راست بات کر سکتے ہو درمیان میں کسی ایجنٹ کی ضرورت نہیں ہے۔واذا سالك عبادي عني فاني قريب ’’(اے نبی) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (کہ اللہ کہاں ہے اس کو کیسے راضی کیا جا سکتا ہے۔ مجھ سے بہت غلطیاں ہو گئیں اب معاملہ صاف کیسے ہو سکتا ہے) آپ کہہ دیں کہ اللہ تو قریب ہے‘‘۔ وہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔تم دو رکعت پڑھو اور اللہ سے سچے دل سے توبہ کر لو کہ اے اللہ بہت غلطی ہو گئی اور آئندہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کا اعتبار کر لیں گے۔اسی وقت تم اللہ کے اچھے بندوں میں شمار ہونے لگ جاؤ گے۔ یہ تو بعد میں پتا چلے گا کہ وہ وعدہ پورا کیا کہ نہیں لیکن اللہ اسی وقت تمہارا اعتبار کر لے گا کہ یہ اچھا بندہ ہے یہ اپنا وعدہ نبھائے گا۔

فرمایا اس کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔اجيب دعوة الداع اذا دعان اللہ فرماتے ہیں’’ کہ میں پکارنے والے کی پکار خود سنتا ہوں اور اس کا جواب دیتا ہوں‘‘۔ یہ کام کوئی اہلکاروں کے سپرد نہیں کیا ہوا۔ یہاں تو ڈی سی او کے پاس جانا ہو تو چپڑاسی روک لیتا ہے کہ کوئی سفارش لاؤ تب جا سکتے ہو ہر بندہ منہ اٹھا کے نہیں مل سکتا۔لیکن اللہ تعالیٰ سے ہر بندہ ہر وقت مل سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے کوئی اوقاتِ کار بھی نہیں ہیں 24 گھنٹے میں جب تمہیں سہولت ہو تم اللہ کے سامنے حاضر ہو جاؤ۔کتنی بڑی آسانی ہے۔فرمایا: میں ہر پکارنے والے کی پکار کو خود سنتا ہوں اور اس کو قبول کرتا ہوں۔لیکن ایک شرط ہے کہ فليستجيبوالي اے نبی ﷺ ذرا انہیں بتا دیں کہ’’ یہ بھی میرا کہنا مانا کریں‘‘۔ یہ من مانیاں کرتے رہیں اور میں ان کی فرمائشیں پوری کرتا رہوں یہ نہیں ہو سکتا انہیں بھی چاہئے کہ میرا کہنا مانیں۔وليومنوابي ’’اور مجھ پر ایمان رکھیں‘‘لعلهم يرشدون ’’تا کہ ہدایت یافتہ ہو جائیں‘‘۔

ان چار آیات میں رمضان المبارک کا ذکر ہے، آگے ایک آیت میں روزے کے احکام ہیں اور چھٹی آیت جو اس رکوع کی آخری آیت ہے اس میں اکل حلال کا ذکر ہے کہ اگر روزے کی عبادت سے فائدہ حاصل کرنا ہے تو لقمہ حلال کا اہتمام کرو۔ ایسے طریقہ سے کمائے

ہوئے پیسہ سے جو دین میں منع ہے روزہ رکھو گے تو کوئی فائدہ نہیں۔لقمہ حلال کا اہتمام ضروری ہے۔

اس مہینے میں انسان اللہ طرف کھنچا چلا آتا ہے اس کی ایک اور جہت بھی ہے۔انسان دو چیزوں کا مرکب ہے ایک انسان کا جسم ہے اور دوسرا انسان کے اندر اللہ نے روح ڈالی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ایک سے زیادہ مقامات پر ذکر ہے۔روح اور جسم کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ ہمارا جسم مٹی سے بنا ہے۔قرآن بھی یہی کہتا ہے،سائنس بھی یہی کہتی ہے۔ہم عام طور پر اپنے جسم کی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔سال کے گیارہ مہینے ہم اسی جسم کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کپڑے اچھے ہوں،استری کئے ہوئے ہوں،جوتے اچھے ہوں۔غور کریں کہ ہمارا جسم کھانے کو مانگتا ہے تو ہم اس کو طرح طرح کا کھانا کھلاتے ہیں،یہ کہاں سے آتا ہے؟ جہاں سے ہمارا جسم آیا ہے وہیں سے ہمارا کھانا آتا ہے یعنی اسی زمین سے۔اجناس ہوں،پھل ہوں،گوشت ہو،مشروبات ہوں جہاں سے ہمارا جسم بنا ہے ساری چیزیں وہیں سے آرہی ہیں۔لباس ہم پہنتے ہیں یہ بھی یہیں سے آتا ہے وہ کاٹن ہو،وہ فائبر ہو،چمڑہ ہو جو بھی ہو۔ اور جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کو نہلا دُھلا کر اسی زمین میں دفنا دیتے ہیں اور سورۃ طٰہٰ کی یہ آیت پڑھی جاتی ہے منھا خلقنا کم وفیھا نعید کم و منھا نخرجکم تارۃ اخری ’’اسی زمین سے ہم نے تمہارے جسم کو پیدا کیا تھا یہیں تمہیں لوٹارہے ہیں اور یہیں سے قیامت کے دن پھر زندہ کر کے کھڑا کیے جاؤ گے‘‘۔تو سال کے گیارہ مہینے ہم اپنے جسم کا خیال رکھتے ہیں۔ جب کہ ہماری روح کس حال میں ہے اس کا 99% لوگوں کو پتا ہی نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں حکم ہے کہ ذرا جسم کے تقاضوں کو ایک طرف کر دو۔کھانا پینا چھوڑنا نہیں ہے لیکن ذرا مناسب حد تک رکھنا ہے اور اپنی روح کی فکر کرو۔ہماری روح آسمانوں سے آئی ہے اس کی غذا بھی آسمانوں سے آتی ہے۔جیسے جسم مٹی سے بنا ہے وہیں سے غذا آتی ہے۔ یہ قرآن آسمان سے آیا ہے اور یہ ہماری روح کی غذا ہے۔جو لوگ ہمارے معاشرے میں قرآن نہیں پڑھتے ان کا کیا حال ہوگا؟ اکثر و بیشتر تلاوت ہفتہ رہ جائے کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔اس مہینے میں اس قرآن کو سنو اس سے تمہاری مردہ روح کو کچھ ہوش آئے گا بیدار ہوگی اس میں احساس پیدا ہوگا۔پھر اس کو روح کے تقاضے ہیں کہ اللہ کو یاد کرو اللہ کی بندگی کرو اللہ کے قریب ہونے کوشش

کرو۔ سال میں ایک مہینہ گیارہ مہینوں سے یوں مختلف ہے کہ گیارہ مہینے ہم اپنے جسم کے تقاضے پورے کرتے رہتے ہیں اور اپنی روح کو نظرانداز کئے پھرتے ہیں اس مہینے میں اپنے جسم کو مکمل طور پر نظرانداز نہ کرو اس کو کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو دو البتہ تمہاری توجہ روح پر ہونی چاہیئے اس طرح تمہاری روح بیدار ہوگی اور جب روح بیدار ہوتی ہے تو وہ اللہ کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے تو تقرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی ہمارے دین کی ہی اصطلاح ہے۔ اگر اس مہینے کے روزے رکھ کر راتوں کو جاگ کر تقرب خداوندی کا احساس پیدا ہوسکے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

مزدور پیشہ آدمی جو مکانوں پر، سڑکوں پر کام کرتے ہیں وہ اس مزدوری کے ساتھ پنج وقتہ نماز پڑھ لیں روزے رکھ لیں اور ایک گھنٹے والی تراویح پڑھ لیں تو ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہے۔ لیکن جو لوگ آسودہ حال ہیں، گھر میں A/C ہے، کوئی کام نہیں نہ دن میں نہ رات میں، وہ بھی سمجھیں کہ تراویح بھی نہیں پڑھنی گھر میں رہنا ہے اور بس۔ اللہ کے ہاں ان کی بہت بڑی گرفت کا خطرہ ہے۔ لہٰذا قرآن کے ساتھ رات کو جاگنے کا پروگرام بنانا چاہئے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص جگہ جانا چاہئے۔ اپنے پاس دوستوں کو جمع کریں کہ آؤ چار گھنٹے روزانہ بیٹھ کر قرآن سنتے ہیں آڈیوز، ویڈیوز، سی ڈیز موجود ہیں، قرآن پاک کی 100 گھنٹے میں تفسیریں موجود ہیں، چار گھنٹے روزانہ سنیں تو 25 دنوں میں ختم ہو جائے گا۔

الغرض اگر ہم رمضان المبارک کے اپنے شیڈول پر نظر ثانی کر لیں اور روزہ بھی اس کے تقاضوں کے ساتھ صحیح رکھنے کی کوشش کریں اور رات کو قرآن کے ساتھ جاگنے کی کوشش کریں تو پھر ایک جذبہ ضرور پیدا ہوگا۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ رمضان ہمارے لئے محفوظ ہو جائے گا۔ ویسے تو کئی رمضان ہماری زندگی میں آئے لیکن رمضان آتا ہے چلا جاتا ہے ہمارے لئے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ اگر ہم اس طریقے پر رمضان گزاریں تو یہ شاید ہماری زندگی کا یادگار رمضان ہو اور ہماری زندگی میں انقلاب آ جائے۔ یہ ہماری زندگی کا اہم ترین رمضان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور مجھے ان باتوں کی سمجھ اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسلام اور سائنس

سائنسی علوم کی ایک مثالی اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

’اسلام اور سائنس‘ کو ہم یہاں اقبال اکادمی لاہور کی اجازت سے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

مذہب سائنٹزم کا تضاد

مذہب سائنٹزم (SCIENTISM) کا تضاد جو اسے معقولیت کے پایہ سے گرا دیتا ہے یہ ہے کہ اس کا پیرو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی سائنس کی مدد سے کسی وقت حقیقت کائنات کی پردہ کشائی کرے گا۔ حالانکہ اس کی سائنس خود حقیقت کائنات کے ایک تصور پر مبنی ہے اور جب تک وہ سائنٹزم کا معتقد ہے اس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی اور وہ حقیقت کائنات کا تصور خود سائنٹزم ہے۔ کسی تصور حقیقت کی ضرورت ایک انسان کے لئے اس قدر فوری اور شدید اور ناگزیر ہے کہ کوئی سائنسدان ایک لمحہ کے لئے بھی اسے ملتوی نہیں کر سکتا چہ جائے کہ اسے اپنے سائنسی نتائج کی متوقع پختگی تک برسوں کے لئے اُٹھا رکھے۔ انسان اپنے تصورِ حقیقت کا براہِ راست مشاہدہ یا احساس کرتا ہے اس کو ثابت نہیں کرتا۔ اس کی علمی تحقیق اس کے تصورِ حقیقت کو دریافت نہیں کرتی بلکہ اس کا تصورِ حقیقت اس کی علمی تحقیق کی راہ نمائی کرتا ہے۔

اسلام کی رُو سے سائنس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے:

’’حقیقت کائنات روحانی ہے اور وہ اس قسم کی ہے کہ سائنسی حقائق سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم دونوں کے اس تعلق کو مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو اس کی

روشنی میں انجام دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج درست ہوں گے اور اگر ہم اس تعلق کو نہ مانیں گے اور اپنی سائنسی تحقیق کو حقیقت کے روحانی تصور کی روشنی میں میں انجام نہ دیں گے تو ہمارے سائنسی نتائج غلط ہو کر رہ جائیں گے۔''

یہی وہ فلسفۂ سائنس ہے جس کی روشنی میں عہد قدیم کے مسلمانوں نے سائنسی طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی۔

سائنس کے اسلامی اور اشتراکی فلسفوں میں فرق

ظاہر ہے کہ اسلامی فلسفۂ سائنس اور اشتراکی فلسفۂ سائنس میں صرف یہی ایک فرق ہے کہ اشتراکی فلسفہ سائنس میں حقیقت کائنات مادّی ہے اور اسلامی فلسفہ سائنس میں حقیقت کائنات روحانی ہے ورنہ دونوں ایک ہیں۔ دونوں بہانگ دہل اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ان کی سائنس ایک عقیدہ پر مبنی ہے۔ جب دنیا بھر میں سائنسدان اپنی تحقیقات کی بنیاد کسی عقیدہ پر رکھتے ہیں اور کسی عقیدہ سے آغاز کرنے کے بغیر کسی سائنسدان کا چارۂ کار نہیں تو پھر کیا مسلمان کے لئے ہی یہ جرم ہے کہ وہ سائنس کی بنیاد کسی عقیدہ پر رکھیں۔ کیا اس کو جرم قرار دینے والے خود بھی اس جرم کے مرتکب نہیں؟

ع ایں گناہ یست کہ در شہر شما نیز کنند

سائنس کی صحیح اعتقادی بنیاد سائنس کی درستی اور ترقی کے لئے ناگزیر ہے

جب ہم مجبور ہیں کہ سائنسی تحقیق کی بنیاد کسی نہ کسی عقیدہ پر رکھیں، تو کیا ضروری نہیں کہ وہ عقیدہ درست ہو اور درست تصورِ حقیقت پر مبنی ہو؛ تاکہ ہمارے سائنسی نتائج غلط نہ ہوں۔ کیا مسلمان کا یہ تصور کہ ''خدا ہی اس کائنات کی سچی حقیقت ہے'' تمام ممکن تصوراتِ حقیقت میں صرف ایک ہی تصورِ حقیقت نہیں جو صحیح اور سچا ہے۔ تو پھر اگر اشتراکی اور عیسائی سائنسدان اپنے اپنے باطل تصوراتِ حقیقت پر اپنی اپنی سائنس کی بنیاد رکھ سکتے ہیں اور یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صرف ان ہی کی سائنس صحیح ہے تو مسلمان اپنے صحیح اور سچے تصورِ حقیقت پر سائنس کی بنیاد کیوں نہیں رکھ سکتا اور پھر اس کے بعد کیوں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ صرف اسی کی سائنس صحیح ہے۔

سائنس اور فلسفہ کسی خدا کو ثابت نہیں کرتے بلکہ بلاثبوت کسی خدا کو مان کر آگے چلتے ہیں

دوسرا مغالطہ اس میں یہ ہے کہ سائنس اور فلسفہ خدا کو ثابت کر سکتے ہیں اور کسی وقت خدا کو ثابت کر سکیں گے۔ اسی مغالطہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سائنس کی بنیاد مشاہدات کے بے لاگ نتائج پر اور فلسفہ کی بنیاد غیر جانبدارانہ استدلال پر رکھی جاتی ہے۔ حالانکہ سائنس اور فلسفہ خود اپنے وجود کے لئے جھوٹے یا سچے خدا یعنی حقیقت کائنات کے کسی غلط یا صحیح تصور کے محتاج ہیں۔ وہ کسی نہ کسی خدا کو پہلے مان کر آگے چلتے ہیں لہٰذا وہ خدا کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ اگر وہ کسی خدا کو ثابت کر سکتے ہیں تو وہ وہی خدا ہوتا ہے جس کو وہ پہلے مان لیتے ہیں اور اگر وہ سچے خدا کے تصور پر مبنی نہ ہوں تو سچے خدا کو ثابت نہیں کر سکتے۔ اُوپر یہ عرض کیا گیا تھا کہ انسانی فطرت کے قوانین کی وجہ سے (جن کے سامنے ایک سائنسدان بھی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے) سائنس ہمیشہ کسی تصورِ حقیقت کے ماتحت وجود میں آتی ہے۔ کوئی نہ کوئی تصورِ حقیقت انسان کا نصب العین ہوتا ہے جو اس کی پوری عملی زندگی پر حکمران ہوتا ہے اور انسان کی عملی زندگی سے اس کی سائنسی سرگرمیاں الگ نہیں ہو سکتیں اور اس کے مشاہدات کے سائنسی نتائج بے لاگ نہیں ہوتے بلکہ اس کے نصب العین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے فلسفی کی فلسفیانہ سرگرمیاں بھی اس کی عملی زندگی سے جدا نہیں کی جاسکتیں۔ فلسفی بھی کسی نہ کسی تصورِ حقیقت سے آغاز کرتا ہے جس کو وہ بلاثبوت پہلے ہی مان چکا ہوتا ہے اور پھر استدلال کا سارا زور یہ ظاہر کرنے کے لئے صرف کرتا ہے کہ حقائق عالم اس تصورِ حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تاکہ اس کا مخاطب بھی اس کی معقولیت کا احساس کر لے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کسی تصورِ حقیقت کو غیر جانبدارانہ استدلال سے ثابت کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ پہلے ہی بلاثبوت کسی تصورِ حقیقت کا قائل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصورِ حقیقت حسن کا ایک تصور ہوتا ہے اور حسن کو محسوس کیا جا سکتا ہے، دیکھا جا سکتا ہے، لیکن ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اپنے لئے اور نہ دوسروں کے لئے۔ پہلے سے طے کیے ہوئے اعتقاد کے بغیر سائنس اور فلسفہ دونوں ممکن نہیں ہوتے۔ اقبال نے اس

مضمون کو یوں ادا کیا ہے:

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں رُوبرو

××××××××××

علم و فن از بیش خیزان حیات
علم و فن از خانہ زادان حیات

××××××××××

زندگی سرمایہ دار از آرزوست
عقل از زائیدگان بطن اوست

اعتقاد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی تصور کے اوصاف حسن اور صداقت اور خیر کا ایک احساس ہوتا ہے اور ان اوصاف کی آرزو اس میں شامل ہوتی ہے۔ اقبال اعتقاد ہی کو کبھی عشق اور کبھی آرزو اور کبھی تمنا کہتا ہے اور اسے سرمایۂ زندگی یا سرمایۂ حیات قرار دیتا ہے۔ آرزو زندگی یا حیات کا خاصہ ہے۔

عقیدۂ توحید کے مضمرات کا انکار

تیسرا مغالطہ اس میں یہ ہے کہ آپ اسلام کے بنیادی معتقدات کے ساتھ جیسا برتاؤ بھی چاہیں کریں، جب چاہیں انہیں چھوڑ دیں یا معطل اور خارج از عمل کر دیں اور جب چاہیں انہیں اختیار کر لیں مؤثر بنا دیں اور انہیں عمل میں لے آئیں۔ ایک کوٹ اور سوئٹر کی طرح جب چاہیں انہیں پہن لیں اور جب چاہیں مصلحت یا موسم یا نزاکت طبع کے تقاضا سے اتار کر رکھ دیں۔ آپ ویسے کے ویسے ہی مسلمان رہیں گے یہ خیال درست نہیں۔ ہمارے بعض سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ سائنسی تحقیق نماز کی طرح کی کوئی چیز نہیں کہ اس میں خدا کے عقیدہ کو پیش پیش رکھا جائے یا خدا کے عقیدہ کے مضمرات کی روشنی میں جاری رکھا جائے۔ لیکن ہم یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ سائنسی تحقیق کے مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ تعجب ہے کہ ہمارا خدا تو یہ کہے کہ مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کی نشانیاں ہیں اور ان کا مشاہدہ اور مطالعہ اسی نقطۂ نظر سے کرو اور ہم صاف کہہ دیں کہ "نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے، خدا کی صفات کا مظاہر

قدرت سے کیا تعلق؟'' اور پھر بھی ہمارے اعتقاد یا ایمان میں کوئی فرق نہ آئے یہاں تک کہ ہمیں توبہ کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ ہو۔ یہ ایمان بھی بی بی تمیز کے وضوئے محکم کی طرح ہے جو کسی حالت میں بھی ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ مسلمان کو یہ حکم ہے کہ وہ خدا کے عقیدہ کو اپنی پوری عملی زندگی کی قوتِ محرکہ بنائے جو ہر چھوٹے بڑے کام میں اس کی راہ نمائی کرے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور لیٹے یا کھڑے ہو کر، کسی وقت بھی خدا کو نہ بھلائے۔ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھے تاکہ اسے معلوم رہے کہ ہر کام خدا کے حکم کے مطابق اور خدا کی رضامندی کے لئے کرنا ہے۔ یہاں تک کہ برتن ڈھانپے تو خدا کا نام لے، چراغ بجھائے تو خدا کا نام لے، کسی چٹان یا پہاڑ کے پاس سے گذرے تو خدا کا نام لے۔ اِن احکام کے پیشِ نظر سائنس کی تحقیق یا تعلیم کے وقت عمداً خدا کے نام کو حذف اور خدا کے عقیدہ کو معطل کر دینا اسلام کے مقاصد کے مطابق کس طرح سے ہے۔ پھر جو شخص سائنسی تحقیقات یعنی مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتے وقت خدا کا نام تو لیتا ہے لیکن قرآن کی تعلیمات کے مطابق مظاہر قدرت کے اندر خدا کی صفات کو سمویا ہوا نہیں مانتا وہ خدا کے اعتقاد کے مضمرات کا جیسا کہ قرآن نے ان کی تشریح کی ہے، منکر نہیں تو اور کیا ہے؟

سائنسی تحقیق کو عقیدۂ توحید کی روشنی سے محروم کر دینا نہ صرف سائنس کو غلط کر دینا بلکہ اپنی عملی زندگی کو بھی غلط راستے پر ڈال دینا ہے

اصل بات یہ ہے کہ کسی سائنسی تحقیقات کے وقت خدا کے عقیدہ کو پیش پیش رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز کے وقت۔ کیونکہ سائنسی تحقیق میں آپ کی مصروفیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ وہ مشین تیار کر رہے ہیں جو فرد اور قوم کی پوری زندگی کو حرکت میں لائے گی۔ وہ مشین آپ کی قوم کا علم ہے۔ ہر قوم کا عمل اس کے علم کائنات پر مبنی ہوتا ہے اگر ہم علم سے خدا کے عقیدہ کو خارج کر دیں گے تو ضروری ہے کہ وہ قوم کی پوری عملی زندگی سے خارج ہو جائے۔ اگر کسی قوم کا علم لادینی ہے تو اس کی عملی زندگی بھی لادینی ہوگی۔ مسلمانوں کا دینی اور اعتقادی انحطاط ہی ان کے مجموعی انحطاط کا باعث ہوا ہے۔ اسی سے ان کی وحدت اور یک جہتی کا انحطاط، ان کا اقتصادی انحطاط، سیاسی انحطاط، اخلاقی انحطاط اور ان کے انحطاط کی اور تمام قسمیں پیدا ہوئی ہیں لیکن مسلمانوں کے دینی اور اعتقادی انحطاط کا بنیادی سبب یہی ہے کہ انہوں نے عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید میں علم یا

سائنس سے خدا کا عقیدہ خارج کر دیا ہے۔علم کے بگڑنے اور سنورنے سے ہی ذہن بگڑتے اور سنورتے ہیں اور جب ذہن بگڑتے ہیں تو عمل بھی بگڑتا ہے اور جب ذہن سنورتے ہیں تو عمل بھی سنورتا ہے۔یہی مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

’’بے شک خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک ان کے ذہنوں میں تغیر نہ آ جائے۔‘‘

علم سے خدا کا عقیدہ خارج کر دینے کے بعد یہ شکایت کرنا کہ ہماری عملی زندگی میں خدا کا عقیدہ باقی نہیں رہا،عبث ہے۔

جس طرح سے کائنات کے طبعیاتی اور حیاتیاتی طبقے خدا کی خالقیت اور ربوبیت کے مظاہر ہیں۔اسی طرح سے کائنات کا نفسیاتی اور انسانی طبقہ بھی خدا کی خالقیت اور ربوبیت کا مظہر ہے۔تاہم جس طرح سے ہمارے طبعیاتی اور حیاتیاتی علوم خدا کے تصور سے محروم ہیں،اسی طرح سے ہمارے وہ سائنسی علوم بھی جنہیں انسانی علوم کہا جاتا ہے خدا کے عقیدہ سے بے تعلق ہیں۔اور یہی علوم ہیں جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے فلسفے ہیں۔جب ہمارے فلسفۂ سیاست،فلسفۂ اخلاق،فلسفۂ اقتصادیات،فلسفۂ قانون،فلسفۂ تعلیم اور فلسفۂ تاریخ میں خدا کے عقیدہ کے لئے کوئی جگہ نہ بن سکے تو کیسے ممکن ہے کہ ہماری عملی زندگی میں جو ہمارے سیاسی،اخلاقی،اقتصادی، قانونی اور تعلیمی اعمال وافعال پر مشتمل ہوتی ہے،خدا کے عقیدہ کی کوئی گنجائش نکل آئے اور جب ہماری عملی زندگی کا کوئی پہلو بھی ہمارے اپنے ہی کیے کی وجہ سے خدا کے متعلق نہیں ہوسکتا تو اس بات کی شکایت کیا معنی رکھتی ہے کہ ہم خدا سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔انسان اس طرح سے بنایا گیا ہے کہ اس کی عملی زندگی کے کسی حصہ میں نظریاتی غیر جانبداری (NEUTRALITY) ممکن نہیں۔اگر وہ اپنی سائنسی تحقیق سے سچے خدا کو خارج کرے گا تو اسے وہاں اس کے بجائے شعوری یا لاشعوری طور پر کسی جھوٹے خدا یا بت کو رکھنا پڑے گا اور پھر اس کا جھوٹا خدا یا بت اس کی سائنس کو سائنس کے پایہ سے گرا دے گا۔زمانہ حال میں اس بت کو کہیں اشتراکیت کا نام دیا جاتا ہے،کہیں لادینی وطنیت اور قومیت کا اور کہیں لادینی جمہوریت کا۔چونکہ دل کا خانہ کبھی خالی نہیں رہتا۔جب

تک بتوں سے کفر نہ کیا جائے خدا پر ایمان لانا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن خدا پر ایمان لانے سے پہلے بتوں سے کفر کرنے پر زور دیتا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

”جو شخص طاغوت سے کفر کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ بیشک ایک مضبوط حلقہ کو تھام لیتا ہے“

عیسائی مغرب کی کورانہ تقلید سے باز آنے اور قرآن کے فلسفہ سائنس کی طرف جلد از جلد رجوع کرنے کے بجائے ہم اپنی اس ہمالیہ جتنی بڑی غلطی کی تلافی اس طرح سے کر رہے ہیں کہ ہم نے لادینی سائنسی علوم کے ساتھ ایک اور مضمون کا جسے دینیات یا اسلامیات کہا جاتا ہے اضافہ کر دیا ہے اور علومِ اسلامیہ کی الگ درسگاہیں اور سوسائٹیاں اور انجمنیں اور دارالعلوم اسلامیہ اور مؤتمر علوم اسلامیہ ایسے ناموں کے ساتھ قائم کر دی ہیں۔ اس کا اُلٹا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہن میں یہ خیال اور بھی راسخ ہو گیا ہے کہ اسلام اصل علم سے الگ کوئی چیز ہے اور علوم اسلامیہ کا تعلق کسی حالت میں بھی سائنسی علوم سے نہیں۔

خدا کی خالقیت اور ربوبیت سے انکار

حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمان سائنسدان یا فلسفی جو اپنے پورے اختیار کے ساتھ خدا کے عقیدہ سے الگ ہو کر یا اس کے علمی اور تحقیقی تقاضوں کو نظر انداز کر کے سائنس یا فلسفہ کی تعلیم اور تحقیق میں مصروف ہوتا ہے اگر ہم اس کی نفسیات کو ذرا بغور دیکھیں تو ہمیں صاف نظر آ جائے گا کہ یہ کہنا اس کے ساتھ بے انصافی ہرگز نہیں کہ اسے اسلام کے خدا پر یقین ہی نہیں رہا تا ہم وہ خدا کے سچے عقیدے سے الگ ہوتا ہے تو اس کی جگہ ایک اور غلط عقیدہ کو قبول کرتا ہے۔

تمام علمی سچائیوں کو روشن کرنے والی حقیقت

فلسفی اور سائنسدان سچائیوں کی جستجو میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اگر ایک ایسی سچائی جو قطعی اور یقینی طور پر سچائی ہو اور جس کے غلط ہونے کا کوئی امکان نہ ہو کسی فلسفی یا سائنسدان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ نعمت عظمیٰ سمجھ کر اس سے چمٹ جاتا ہے کیونکہ وہ اسے اور سچائیوں کی جستجو میں

مدد دیتی ہے اور اس کے لئے ایک روشنی کا مینار بن جاتی ہے جس سے علم کا نور دُور دُور تک پھیل جاتا ہے اور دوسری سچائیوں کو روشن کرتا جاتا ہے۔ سائنسی تحقیق کا کوئی نتیجہ اگر اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو تو وہ یقینی طور پر صحیح جان کر قبول کر لیا جاتا ہے اور اگر مطابقت نہ رکھتا ہو تو بوثوق تمام غلط سمجھ کر ردّ کر دیا جاتا ہے۔ فرض کیا کہ کسی ایسے ذریعۂ علم سے جو بالاتفاق اور مسلم طور پر آنکھوں سے دیکھنے سے بھی ہزار گنا زیادہ قابل اعتماد ہے سائنسدانوں کے گروہ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا فی الواقع موجود ہے اور وہ اس کائنات کا خالق اور ربّ ہے اور اس کی صفات خالقیت اور ربوبیت اس کائنات میں سموئی ہوئی ہیں تو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی سائنسی تحقیق اس حقیقت کی راہ نمائی کے بغیر ایک قدم بھی آگے اُٹھا سکے۔ یقیناً وہ اسے اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد یا کلید کا درجہ دیں گے اور اسے سب سے بڑی سچائی سمجھیں گے۔ لیکن عیسائی مغرب کے سائنسدانوں کے نزدیک خدا کا تصور اس درجہ کی یقینی اور قطعی حقیقت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو اپنی سائنسی تحقیق کے لئے مشعل راہ نہیں بناتے۔ خدا کے تصور کو سائنسی حقیقت سے بالاتر اور زیادہ یقینی اور زیادہ قابل اعتماد کسی حقیقت کا مقام دینا تو درکنار وہ ابھی اسے معمولی سائنسی حقیقت کا مقام بھی نہیں دیتے بلکہ اسے سائنس کے منافی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ اسے اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کیسے بنا سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان تو یہ مانتا ہے کہ خدا کا تصور فی الواقع سائنسی حقیقت سے بھی بالاتر مقام رکھنے والی قطعی اور یقینی حقیقت ہے اور اسی یقین کی وجہ سے وہ مسلمان ہے۔ (جاری ہے)

تبصرہ وتعارف کتب

’’کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے‘‘

برصغیر کے نامور شعراء کا

حضرت امیر شریعت کے حضور نذرانۂ عقیدت

امجد اقبال ساجد

تبصرہ نگار: محمد انور سعید

نامور خطیب، مجاہد آزادی، ہندوستان میں تحریک خلافت کی ناکامی پر جمع ہونے والے انقلابی کارکنوں کی جماعت مجلس احرار کے بانی حکومت الٰہیہ کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے امیر شریعت مولانا حافظ سید عطاء اللہ شاہ حسنی بخاری سے کون واقف نہیں! آپ نے آزادئ ہند اور تحفظ ختم نبوت کی خطر آدھی زندگی ریل اور آدھی زندگی جیل میں گزاری جو کہ ایک الگ موضوع ہے۔ پاک وہند کے شعراء کا امیر شریعت کے حضور منظوم نذرانۂ عقیدت شہر جھنگ کے انقلابی کارکن، شاعر اور معلم امجد اقبال ساجد نے محدود وسائل سے ’’کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے‘‘ کے نام سے جمع کیا ہے۔ اس کتاب کی نظر ثانی سیّد محمد کفیل بخاری نے کی ہے اور مولانا اسماعیل شجاع آبادی نے بڑے اہتمام اور ذوق سے شائع کیا ہے رفیق امیر شریعت مولانا مجاہد الحسینی نے پیش لفظ لکھا ہے اس طرح اس مجموعہ نے ورثاء مشن امیر شریعت کو بھی یکجا کر دیا ہے۔ اس پر ساجد کی یہ کاوش ہر طرح سے لائق تحسین ہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد نظموں، رباعیات، اور قطعات پنجابی عربی فارسی اور اردو کے اس مجموعہ کو ادبی حلقہ میں خوب سراہا گیا ہے۔ یہ منظوم نذرانۂ عقیدت بزم امیر شریعت کے ہر دردمند کارکن کی ضرورت ہے۔ صفحہ 176 قیمت -/170 (دفاتر ختم نبوت سے بارعایت) ناشر ادارہ اشاعت الخیر ملتان یہ بہت بڑا کام ایک چھوٹی سی کتاب میں سما گیا ہے۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے وفات پا جانے والی

21 اسلامی انقلابی شخصیات

مکمل

انجینئر مختار فاروقی

حصہ اوّل، حصہ دوم، حصہ سوم کے بعد اب تینوں

حصوں کا مجموعہ طباعت کے آخری مرحلہ میں ہے

قیمت -/370 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

زیر انتظام انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861

سیّدنا حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود وسلام بھیجنا ایک مسلمان کے لئے سعادت دارین ہے

لیکن

- صلوٰۃ کا مفہوم کیا ہے؟
- سلام بھیجنے سے مراد کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا طریقہ کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام کس کس موقع پر پڑھنا چاہیے؟
- توہین رسالت کے واقعات کے پس منظر میں صلوٰۃ وسلام کی کیا اہمیت ہے؟

یہ اور دیگر ایسے سوالات کے جوابات کے لئے

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ **ان شاء اللّٰہ**

اکتوبر 2013ء میں

ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان

الصّلوٰۃ والسَّلام علیٰ رسولِ اللّٰہ

ہوگا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لئے قلمی تعاون فرمائیں نیز موضوع سے متعلق تراشے حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں

(ادارہ)

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان......اور......سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ......اور......غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وما النصر الامن عنداللہ (القرآن)